سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ

ترجمان القرآن

[redacted]

[redacted]



اسلام آباد سے متصل مرگلہ ہلز کے حسین دامن میں
ایک نیا دلپذیر شہر

منظرِ کوہسار

ہاؤسنگ اینڈ فزیکل پلاننگ حکومت پنجاب اور ڈسٹرکٹ کونسل راولپنڈی سے منظور شدہ سڑکیں، سیوریج بجلی، پانی، سکول، کمیونٹی سنٹر، قبرستان، مسجد اور ہسپتال، خوبصورت جھیل۔ ترقیاتی کام جاری ہیں۔

قیمت 30 ہزار روپے فی مرلہ مگر عید الفطر سے پہلے بکنگ کرانے پر 3 ہزار روپے فی مرلہ کی خصوصی رعایت 3 ہزار روپے فی مرلہ کے حساب سے ڈرافٹ بھیج کر بکنگ کرالیں۔ باقی رقم تین سال کی قسطوں میں کنال 600 مربع گز

پمفلٹ مفت منگوائیں۔

فیروزپور روڈ پر چونگی امر سدھو سے 2 کلومیٹر
ایل ڈی اے سے منظور شدہ

شاداب کالونی

کشادہ سڑکیں، خوبصورت پارکیں، مسجد، ڈسپنسری، سکول، مارکیٹیں، ٹیلیفون اور سوئی گیس کی سہولت موجود۔ سکول کالج اور بڑے ہسپتال قریب تر۔
ترقیاتی کام جاری ہیں، کنال 500 مربع گز

قیمت 30 ہزار روپے فی مرلہ مگر عید الفطر سے پہلے بکنگ کرانے پر 3 ہزار روپے فی مرلہ کی خصوصی رعایت 3 ہزار روپے فی مرلہ کے حساب سے ڈرافٹ بھیج کر بکنگ کرالیں۔ باقی رقم تین سال کی قسطوں میں

پمفلٹ مفت منگوائیں۔

ہم ذوق، ہم خیال احباب کی خوبصورت نظریاتی بستی

دیگر قریبی سوسائٹیوں سے انتہائی کم قیمت پر نظریاتی ساتھیوں کیلئے سنہری موقع

تحریکِ اسلامی سے وابستہ
افراد کا با اعتماد ادارہ

مری میں ایک نئے منصوبے کا
اعلان

ہل ویو اپارٹمنٹ

مال روڈ مری سے پیدل پانچ منٹ کی مسافت پر پچاس فٹ چوڑی جھیکا گلی روڈ (لوئر مال کے مقام پر) مری ایمپرومنٹ ٹرسٹ کی سکیم میں اعلیٰ کوالٹی کی تعمیر تمام جدید سہولتوں کے ساتھ ہر اپارٹمنٹ سے وادی کے حسین مناظر، مکمل منصوبہ 20 فلیٹ پہلے آیئے پہلے پایئے کی بنیاد پر بکنگ ہوگی۔
قیمت تعمیر شدہ رقبہ 650 مربع فٹ 6 لاکھ روپے، بکنگ پر 2 لاکھ روپے باقی رقم 18 ماہانہ قسطوں میں۔

پمفلٹ مفت منگوائیے۔

پانچ رہائشی منصوبوں کی شاندار کامیابی کی حامل اور آپ کے کامل اعتماد کی مظہر

احباب ہاؤسنگ سوسائٹی پرائیویٹ لمیٹڈ

ہیڈ آفس 1 اے فیض روڈ اولڈ مسلم ٹاؤن لاہور فون 5869549-5865371 فیکس 5837016

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مدیر: خرم مراد

جلد ۱۲۴ | اپریل ۱۹۹۶ ذی قعد ۱۴۱۶ | عدد ۴

ادارتی امور

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور ۵۴۵۷۰

فون: ۷۵۰۰۱۲۴

فیکس: ۷۸۳۲۱۹۴

انتظامی امور

۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

فون: ۷۵۸۷۹۱۶ - ۷۵۸۵۵۹۰

☆

قیمت فی شمارہ -/۱۵ روپے

زر سالانہ -/۱۵۰ روپے

مشرق وسطی -/۵۵۰ روپے

بنگلہ دیش، مسقط -/۴۵۰ روپے

بھارت -/۳۰۰ روپے

یورپ، مشرق بعید -/۶۵۰ روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا -/۹۰۰ روپے

بنک ڈرافٹ

بنام ماہنامہ ترجمان القرآن ارسال فرمائیں

ترتیب

۶۰ سال پہلے

طلوع اسلام :۔ ماہوار رسالہ۔ زیرادارت جناب سید نذیر نیازی صاحب۔ چندہ سالانہ ۵ روپے۔ نمبر ۲۵۔ میکلوڈ روڈ' لاہور۔

...... عمرانیات پر معلومات فراہم کرنا اور رائج الوقت نظریات کی ترجمانی کرنا آسان تر ہے۔ مگر عمرانی مسائل میں اسلام کے نقطہ نظر کو سمجھنا اور عمرانیات کو اسلامی سانچے میں ڈھال دینا بڑی دقت نظر اور اجتہادی قوت چاہتا ہے۔ یہ کام بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ ایک طرف حکمت اسلامی اور اسرار شریعت پر گہری نظر ہو اور دوسری طرف عمرانیات جدید کا محققانہ مطالعہ کیا گیا ہو۔ لیکن یہ سب امور اس پر منحصر ہیں کہ ایڈیٹر کو ہم خیال مددگاروں کی ایک جماعت قلمی امداد کے لیے اور خوش مذاق اہل علم کی ایک وسیع تر جماعت رسالہ کی خریداری کے لیے بہم پہنچ جائے۔ بدقسمتی سے یہی دو چیزیں ہماری قوم میں مفقود ہیں اور انہی کا فقدان کام کرنے والوں کی ہمتیں پست کر رہا ہے۔ (ا۔م)

سالنامہ شاہکار :۔ رسالہ شاہکار نے حال میں اپنا سالنامہ شائع کیا ہے۔ شاہکار جیسے ستھرے رسالہ میں بعض ادنی درجہ کی تصویریں دیکھ کر حیرت ہوئی۔ خصوصاً "وادی گلفروش" والی تصویر تو اس قابل نہ تھی کہ اسے رسالہ میں جگہ دی جاتی۔ "آرٹ" انسان کے لطیف جذبات کو ظاہر کرنے کا ایک ذریعہ ضرور ہے' مگر لطائف کا لازمی عنصر پاکیزگی ہے۔ بے حیائی اور عریانی ہرگز "آرٹ" نہیں ہے۔ اہل مغرب کی نفس پرستی نے جہاں دوسری بہت سی لطیف چیزوں کو گندہ کیا ہے' آرٹ بھی اسی گندگی میں آلودہ ہو کر رہ گیا ہے۔ وہاں ہر بے حیائی کا نام آرٹ ہے' اور جب کسی چیز کو اس مقدس نام سے موسوم کر دیا جائے تو وہ خواہ کتنی ہی پایہ تہذیب سے گری ہوئی ہو' کوئی اس پر حرف گیری نہیں کر سکتا۔ برہنہ تصویریں' ننگے ناچ رکیک جذبات کو انتہائی شدت کے ساتھ ظاہر کرنے والی ایکٹنگ اور ایسی ہی بہت سی چیزیں محض آرٹ کا لیبل لگ جانے کی بدولت اخلاقی احتساب کی گرفت سے آزاد ہو گئی ہیں لیکن ہماری درماندہ قوم کو ابھی بہت کچھ تعمیری کام کرنا ہے۔ اسے ایک زوال پذیر تہذیب کے ان تباہ کن کھلونوں سے دور ہی رکھنا بہتر ہے قیمت ۲ روپے علاوہ محصول ڈاک۔ ملنے کا پتہ: دفتر شاہکار' لاہور۔ (ا۔م)

(سید ابوالاعلیٰ مودودی "مطبوعات" جلد ۸' عدد ۲' صفر ۵۵ ۱۳' اپریل ۱۹۳۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

جہاد کی پکار

خرم مراد

آج زمین پر چلنے والا ہر پانچواں آدمی مسلمان ہے۔ ہر قسم کے وسائل سے مالا مال' ۵۳ آزاد ملکوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ایک ارب کی تعداد' اور اتنے آزاد مسلمان ممالک کے باوجود دنیا میں امت مسلمہ ذلت و بیچارگی' اور مغلوبیت و پس ماندگی کا شکار ہے۔ خود مسلمان ممالک تفرقہ اور انتشار میں مبتلا ہیں۔ مسلمان عوام اپنے ہی ہم مذہب حکمرانوں کے جبر و تشدد کے شکنجہ میں کسے ہوئے ہیں۔ آخر کیوں؟

ایسا کیوں ہے' اس سوال کا جواب دیے بغیر نہ ہماری حالت بہتر ہو سکتی ہے' نہ مستقبل ہمارا بن سکتا ہے۔ اس سوال کا جواب ہمیں کہیں باہر نہیں بلکہ اپنے اندر ملے گا۔ اس لیے کہ ہر قوم کو دنیا میں وہی نصیب ہوتا ہے جو اس کے اعمال و اخلاق تقاضا کرتے ہیں۔ امریکہ جیسے ملکوں کے نیو ورلڈ آرڈر کے منصوبے اور عزائم' یہود و ہنود جیسی قوموں کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں اسی صورت میں ہمیں نقصان پہنچاتی ہیں جب ہمارے اپنے دل ہی خالی ہوں' اپنے اخلاق و اعمال ہی کچے اور بودے ہوں اور اپنی صفوں ہی میں شگاف ہوں۔

قوموں کی بقا اور ترقی کے لیے صرف دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ ان کے دل کسی بھی مقصد' سے وہ صحیح ہو یا غلط' وابستہ ہوں' اس کی محبت سے بھرے ہوئے ہوں' اسی کو اپنی تمناؤں' خوابوں اور تگ و دو کا محور و مرکز بنائے ہوئے ہوں۔ دوسرے یہ کہ وہ دل کی لگن اور صبر و استقامت کے ساتھ اپنے مقصد پر جمے رہیں' اور اس کے حصول کے لیے ہر ممکن جدوجہد کریں اور اس جدوجہد میں اپنا سب کچھ لگانے کے لیے تیار ہوں۔

ہماری امت مسلمہ' اسلام کی بنیاد پر مبنی ہے اس کا نام نہ نسل و رنگ کا آئینہ دار ہے' نہ زبان و

زمین سے بنا ہے - یہ اپنے پیدا کرنے والے رب کا بن جانے 'اپنا سب کچھ اس کے سپرد کر دینے 'اسی کو اپنا قبلہ اور مقصود بنا لینے اور سب سے بڑھ کر اسی سے محبت کرنے والوں کی امت ہے ' اور ہونا چاہیے - اللہ تعالیٰ کا بن جانا' اور اپنا سب کچھ اسی کے لیے اور اسی کی راہ میں کوشش اور محنت میں لگا دینا' اسی میں اس امت کی عزت و سربلندی اور بقا و ترقی کا راز پوشیدہ ہے - اسی کا نام ہے ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ -

جو قومیں ایمان سے خالی اور جہاد سے کوری ہوں ' ان کے لیے دنیا میں نہ کوئی مقام ہے نہ مقدر - جو قوم نام اللہ کا لیتی ہو' لیکن اس کا دل اللہ کی طلب و محبت سے خالی ہو اور اس کی ساری محنتوں اور کوششوں میں اللہ کا کوئی مقام نہ ہو' وہ ان قوموں کے سامنے بہتر نہیں ہو سکتی جن کے سامنے ایک مقصد ہو 'اور وہ اپنے مقصد کے لیے قربانیاں دینا اور جہاد کرنا جانتے ہوں 'اگرچہ وہ مقصد باطل ہو - مقصد سے خالی قوموں کا وزن درخت کے پتوں' پانی کے جھاگ اور خس و خاشاک سے زیادہ نہیں ہوتا -

اسی لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ' قرآن مجید کے ذریعے اور اسوہ رسولؐ کے ذریعے سب سے بڑھ کر اگر ہمیں کسی چیز کی طرف پکارا ہے 'تاکید کی ہے 'تو وہ ایمان اور جہاد کی دعوت ہے - جہاد کو ایمان صادق کی کسوٹی بتایا ہے - ان تمام اعمال صالحہ میں جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں اور اس سے قریب کرنے والے ہیں 'سب سے زیادہ اعلیٰ اور افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ کو ٹھہرایا ہے ' حیات ملی کو دعوت جہاد پر لبیک کہنے پر منحصر کر دیا ہے ' جہاد کرتے ہوئے مرنے والوں کو مردہ کہنے سے منع کر دیا ہے کہ ان کی موت ہی ملت کی حیات ہے اور وہ مرتے ہی اپنے رب سے رزق پانا شروع کر دیتے ہیں ' دنیا میں عزت و سربلندی کی راہ جہاد فی سبیل اللہ میں رکھ دی ہے اور موت کے بعد ہمیشہ کی زندگی میں سب سے بڑھ کر انعامات اور اجر عظیم کا وعدہ مجاہد فی سبیل اللہ کے ساتھ کیا ہے -

دیکھیے ' حقیقی معنوں میں سچے مومن وہی ہیں جو صحیح معنوں میں ایمان رکھتے ہوں اور جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں ' یہ بات اللہ تعالیٰ نے بہت اچھی طرح واضح کر دی ہے -

حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے ' پھر کسی شک میں مبتلا نہ ہوئے ' اور اپنی جانیں لڑا کر اور مال لگا کر اللہ کی راہ میں جہاد کیا - یہی سچے لوگ ہیں (الحجرات ۱۵:۴۹)

اور دیکھیے ' ایمان و جہاد کی پکار پر لبیک کہنے میں ہی زندگی کا سامان ہے - اور اس سے خالی ہوں تو زندگی موت کے برابر اور دل پراگندہ 'اور سب کے سب شامت اعمال کے شکار -

اے لوگو' جو ایمان لائے ہو' اللہ اور اس کے رسولؐ کی پکار پر لبیک کہو' جب کہ رسولؐ تمھیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمھیں زندگی بخشنے والی ہے اور جان لو کہ اللہ' آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے اور اسی کی طرف تم سمیٹے جاؤ گے۔ بچو' اس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انھی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنھوں نے تم میں سے ظلم (کی روش اختیار) کی ہوگی۔(انفال ۸: ۲۴-۲۵)

ہمیں یہ بھی اچھی طرح جاننا چاہیے کہ جہاد فی سبیل اللہ تمام نیک اعمال میں سب سے زیادہ اعلیٰ اور افضل ہے' اللہ تعالیٰ کو انتہائی محبوب اور اس سے سب سے زیادہ قریب کرنے والا ہے۔ ساری زندگی حسن عمل کی آزمائش ہے۔ زندگی اور موت کی بساط اللہ تعالیٰ نے اسی لیے بچھائی ہے تاکہ وہ ہمارا امتحان لے کہ کون نیک اور حسین اعمال کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے' کون بدی اور متاع دنیوی کی محبت میں (الملک ۶۷: ۲)۔ نیک اعمال یا حسین کام وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں' جن سے اس کی قربت نصیب ہوتی ہے' جن کو کرنے والوں سے وہ محبت کرتا ہے۔ لیکن سارے نیک اعمال ایک درجے کے نہیں ہوتے۔ اسی لیے فقہا نے اعمال کو فرائض' سنن' نوافل' مستحبات اور مباحات میں تقسیم کیا ہے۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اللہ سے قریب ہونے کا سب سے بڑا ذریعہ فرائض کو ادا کرنا ہے۔ اس کے بعد جب ہم وہ کام اپنی خوشی سے دوڑ دوڑ کر کرنے لگتے ہیں جن کا کرنا یا نہ کرنا ہماری مرضی پر ہے تو ہم قربت کی آخری منازل بھی طے کر لیتے ہیں۔ اب دیکھیے ان اعمال میں ایمان و جہاد کا مقام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کو آباد رکھنے کو اس شخص کے کام کے برابر بنا لیا ہے جو ایمان لایا اللہ اور یوم آخر پر' اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں (التوبہ ۹: ۱)۔

ترازو کے ایک پلڑے میں کون سے اعمال ہیں؟ یہ معمولی اعمال نہیں۔ بھوکوں کو کھانا کھلانا اور پیاسوں کو پانی پلانا تو ایمان کے درجے کے نیک کام ہیں۔ پانی پلانے کا انتظام کرنا صدقہ جاریہ ہے۔ حضورؐ نے بتایا کہ بنی اسرائیل کی ایک بدکار عورت اس وجہ سے بخش دی گئی کہ اس نے ایک پیاسے کتے کی پیاس بجھائی۔ پھر حاجی تو اللہ کی راہ میں مسافر ہوتا ہے' تو حاجی کی پیاس بجھانا کتنے اونچے درجے کا عمل ہوگا۔ پھر اللہ کے گھر کو آباد رکھنا' اس کا اہتمام و انتظام کرنا کہ وہاں لوگ نماز' طواف' اور اعتکاف جیسی عبادات بجا لا سکیں' ایسا کام ہے جس کے لیے اللہ نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو ذمہ دار بنایا۔ اللہ کے گھر کی زیارت' طواف اور عمرہ کے لیے سفر کرنا تو خود جہاد فی سبیل کی طرح کا عمل ہے۔ تو یہ دو عمل ایک پلڑے میں ہیں۔ یہ چھوٹے درجے کے عمل نہیں' بڑے عظیم الشان عمل ہیں۔ دوسرے پلڑے میں ایمان ہے' اور جہاد فی سبیل اللہ۔ اللہ تعالیٰ صاف صاف فرماتا ہے:

اللہ کے نزدیک یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے (التوبہ ۹:۱۹)۔

ان میں سے کس کا درجہ زیادہ ہے؟ اس سوال کا جواب بھی وہ دیتا ہے

اللہ کے نزدیک تو انھی کا درجہ بڑا ہے جو ایمان لائے ' اور جنھوں نے اس کی راہ میں گھر بار چھوڑے ' اور جان و مال سے جہاد کیا ' وہی کامیاب ہیں (التوبہ ۹: ۲۰)۔

ایمان کے معانی تو واضح ہو چکے ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کا کیا مطلب ہے؟ یہ بھی اللہ کے رسولؐ نے واضح فرما دیا ہے۔ نہ قبیلے 'ملک اور قوم کے لیے لڑائی جہاد فی سبیل اللہ ہے ' نہ آن بان 'عزت ' اور نام کے لیے لڑائی۔ جہاد فی سبیل اللہ تو وہ ہے جو صرف اس لیے ہو کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا کلمہ غالب ہو ' اللہ کا دین قائم ہو ' اللہ کے بندے جھوٹے خداؤں کی غلامی سے آزاد ہو جائیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ لتکون کلمة الله هی العلیا۔ جہاد فی سبیل کے معنی یہ بھی ہیں کہ یہ جہاد صرف اللہ کے لیے ہو ' خالص اس کی خوشنودی اور رضا کے حصول کے لیے ہو ' صرف جنت کی طلب اور دوزخ سے بچنے کی تڑپ میں ہو۔

جو خود کو مومن کہتا ہو ' اس کو جہاد تو کرنا ہی ہو گا ' اس لیے کہ ایمان اور جہاد ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ ایمان کے ایک معنی یہ ہیں کہ "اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں سے ان کے جان و مال خرید لیتا ہے ' جنت کی قیمت میں"۔ جو ایمان لایا ' اس نے اپنے آپ کو اللہ کے ہاتھ بیچ دیا ' پورا کا پورا۔ کہنے کو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ میرا دل ' میرا دماغ ' میرے ہاتھ پاؤں ' میرا مال ' میرا مکان ' میری تجارت ' میرے رشتہ دار ' ___ لیکن ان میں سے کچھ بھی میرا نہیں ' سب اللہ کا ہے۔ جب سب کچھ ہم نے اللہ کے ہاتھ بیچ دیا تو پھر یہ سب کچھ اس کی راہ میں ' اس کے دین کے لیے ' اس کے ساتھ وفاداری کا عہد وفا کرنے میں ' مظلوموں کی نجات کے لیے ' اپنی عزت اور آزادی برقرار رکھنے کے لیے ' نہ لگایا جائے تو یہ نمک حرامی بھی ہو گی ' بدعہدی بھی۔ ایمان کے بعد ہم اپنی سب چیزوں کو اپنا سمجھیں ' اپنے کام میں لائیں ' تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک دکاندار مال بیچ کر بھی خریدار کے حوالے نہ کرے ' اور کام میں لاتا رہے۔

ہجرت کے معنی گھر بار چھوڑنے کے ہیں۔ یہی ہجرت کے اصل معنی ہیں ' یہی ہجرت کا اصل عمل ہے۔ لیکن غور کیجیے کہ ہجرت کی روح تو یہ ہے کہ اس جگہ کو چھوڑ دیا جائے جہاں اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنا ممکن نہ ہو ' اس زندگی کو ترک کر دیا جائے جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہو۔ ایمان کا پہلا قدم ہی یہ ہے کہ ہم سارے جھوٹے خدا ترک کر دیں۔ ایمان کے بعد پہلا کام ہی یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کو ترک کر دیں جو اللہ کو ناپسند ہیں۔ غور کیجیے تو جہاد ' ان معنوں میں ہجرت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ جہاد کے لیے گھر بار چھوڑ کر نکلنا پڑتا ہے ' رشتے ناتے چھوڑنا پڑتے ہیں ' کاروبار

ہاتھ سے جاتے ہیں ' آرام ترک کرنا پڑتا ہے ۔ اور اگر میدان جنگ میں جاکر جہاد کرنے کی نوبت نہ آئے ' تو بھی جہاد ہو سکتا ہے ' اور ہوتا ہے ' اور اس کے لیے بھی اپنے بہت سے محبوب مشاغل اور چیزیں چھوڑنا پڑتی ہیں ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو ایمان ' جہاد اور ہجرت کا وہ حق ادا نہ کریں ' جو ان کا حق ہے ' وہ مقام نہ دیں جو ان کا مقام ہے ' تو وہ ظالم ہیں ۔۔۔ ظلم تو حق تلفی کو کہتے ہیں ۔۔۔ اور ظالموں کے کاموں کا انجام بھلا نہیں ہوتا ۔

اور جو ایمان و جہاد کی راہ اختیار کریں وہی کامیاب ہیں ' انھی کا درجہ سب سے بڑا ہے ۔ ان کے لیے کیا کیا انعامات کی خوش خبری ہمارے رب کریم نے دی ہے ۔ ذرا سنیے!

ان کا رب انھیں اپنی رحمت ' اور خوشنودی ' اور ایسی جنتوں کی خوش خبری دیتا ہے جہاں ان کے لیے پائیدار عیش کے سامان ہیں ۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے ۔ یقیناً اللہ کے پاس خدمات کا صلہ دینے کو بہت کچھ ہے (التوبہ ۹: ۲۱ ۔ ۲۲) ۔

الفاظ تھوڑے سے ہیں ' بیان بھی مختصر ہے ۔ لیکن دل کے جذب و کشش کے لیے جتنا سامان ہو سکتا تھا وہ سب ان چند الفاظ میں جمع کر دیا گیا ہے ' جتنا حسن و جمال جذبہ عشق کو مطلوب ہو سکتا ہے وہ سب موجود ہے ۔ اور یہ سب ایمان ' ہجرت اور جہاد کے ساتھ وابستہ ہے ۔ شاید قرآن مجید میں کسی جگہ ' کسی اور قسم کے اعمال کے صلہ میں ' اتنے سارے انعامات کو جمع نہیں کیا گیا ہے ۔

فرمایا ' کہ خوش خبری دو! خوشیاں مناؤ ' شادیانے بجاؤ ' کیا کچھ ملنے والا ہے ۔ رحمت ! اگر بات یہیں ختم ہو جاتی ' اور آگے کچھ نہ کہا جاتا ' تو یہ بھی کافی تھا ۔ رحمت اس کی جس کی رحمت کی کوئی حد اور انتہا نہیں ' جس رحمت کی مسلسل بارش ہو رہی ہے ' جس رحمت کا ایک حصہ دنیا میں تقسیم کیا گیا ہے اور ننانوے حصے آخرت میں یہاں بخشے جا رہے ہیں ' مجاہدین کو ۔ لیکن رحمت کے آگے بشارت ہے ' رضوان کی! اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہو جائے ' اس کی محبت کی نظر ' اس کی محبت کا کلام ' اس کی طرف سے قدر دانی ' کیا اس سے بڑھ کر بھی ہماری فطرت میں پوشیدہ طلب حسن کو کسی چیز کی تمنا ہو سکتی ہے ۔ رحمت اور رضوان کی نعمتیں ہی ہیں جو جنت کے سانچے میں ڈھل جائیں گی ۔ جنت کی نعمتوں کا بیان شروع ہو جائے تو ختم ہونے میں نہ آئے ۔ یہاں تو صرف دو نعمتوں کا ذکر ہے ' اور ان دو کے بعد کسی بیان کی ضرورت نہیں ۔ جو کچھ ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے ' اس دنیا کی طرح نہیں کہ ہر نعمت فنا ہو جائے ۔ یہاں ہم کتنی محنت و شفقت اور کتنی آرزوؤں سے طرح طرح کی نعمتیں جمع کرتے ہیں ' کوئی ساتھ نہیں رہتی ۔ نعمتیں زیادہ دیرپا ہوں ' تو زندگی جلد ختم ہو جاتی ہے ۔ ہزار دم نکلتے ہیں تو ایک خواہش پوری ہوتی ہے ' ایک دفعہ دم نکلتا ہے تو ہزار خواہشیں ساتھ ہی دفن ہو جاتی ہیں ۔ اسی لیے

فرمایا کہ نہ صرف یہ کہ نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں ' بلکہ ہم بھی ہمیشہ ان میں رہیں گے ۔ اور ان سب کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے پاس اور بڑا اجر ہے جس کا تصور بھی ممکن نہیں ۔ فرمایا حضورؐ نے ' وہ نعمتیں کہ نہ آنکھوں نے دیکھا ' نہ کانوں نے سنا ' نہ آدمی ان کا تصور ہی کر سکتا۔

لوگو! ذرا سوچو! اللہ کی یہ پکار جہاد کے لیے! جہاد کا یہ مقام دین میں! جہاد کا یہ اجر دنیا اور آخرت میں! اس سے بڑا نقصان کا سودا کیا ہو گا کہ یہ خوان نعمت ہمارے سامنے رکھا ہو اور ہم بالکل غافل ' لاپروا ' بے حقیقت چیزوں سے اپنا شوق پورا کرتے رہیں ' اپنے پیٹ بے مزہ اور بیکار چیزوں سے بھرتے رہیں ۔

آپ سوچیں گے کہ ہم جہاد کیسے کریں ۔ گھروں سے نکل کر میدانوں میں جہاد کرنے کا وقت آئے تو وہ بھی کرنا ہو گا ' جان دینے کی ضرورت ہو تو وہ بھی دینا ہو گی ۔ افغانستان میں ' فلسطین میں ' کشمیر میں ' بوسنیا میں ' چیچنیا میں ' تاجکستان میں لوگ یہ سب کر رہے ہیں ۔ لیکن جو محاذ پر نہیں ہیں وہ بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں ۔

۱۔ جہاد کی تڑپ اور آرزو سے دل کو آباد رکھیں ' تاکہ یہ جذبہ پورے وجود میں موجزن رہے ۔

۲۔ شہادت کی تمنا کے چراغ اپنے سینے میں روشن رکھیں ' تاکہ اس کے نور سے قلب و روح اور زندگی کا ہر گوشہ منور رہے ۔

۳۔ اپنے گرد و پیش گھر والوں کو ' تعلیمی اداروں میں طلبہ کو ' رشتہ داروں کو ' محلہ والوں کو تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو ' لڑکوں اور لڑکیوں اور بچوں کو ایمان و جہاد کی دعوت پہنچائیں اور اس کے لیے کھڑا کریں ۔

۴۔ کشمیر ' فلسطین اور دیگر مقامات پر جو جہاد ہو رہا ہے اس کی مدد میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھیں ' اس لیے کہ جو مجاہد کو سامان فراہم کر دیتا ہے یا جو مجاہد کے گھر کی دیکھ بھال کرتا ہے اس کو بھی مجاہد کے برابر ثواب ملتا ہے ۔ گولی چلانے کا وقت آئے تو گولی چلائیں ' ایک تنکا بہم پہنچانے کی ضرورت ہو تو وہ بہم پہنچائیں ۔

۵۔ اپنی اور اپنی قوم کی زندگی کو زیادہ سے زیادہ اپنے رب کریم کی مرضی اور حکم کے مطابق بنائیں ۔

اللہ کو جو کچھ مطلوب ہے وہ تو نیت ' ارادہ ' جذبہ ' تمنا ' آرزو اور سعی و جستجو ہے ۔ جو میدان جنگ میں جان دیتا ہے وہ بھی اللہ کو محبوب ہے ' جو گھر بیٹھے ہتھیلی پر اپنی جان کی نذر لیے بیٹھا رہتا ہے ' وہ بھی اللہ کا محبوب ہے ۔

غور کریں تو جہاد محبت کا سودا ہے ۔ محبت ہی کا جذبہ ہے جو فاتح عالم ہے ۔ محبت سے دل معمور

ہو تو محبت کی خاطر ہم ہر چیز چھوڑنے، ہر قربانی دینے، ہر کام کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہر ایمان کا دعویٰ کرنے والے سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرے

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ

ایمان لانے والے سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

اور جہاد کی پکار بلند کی، جہاد کا مقام بیان کیا، جہاد کے اجر کی بشارت دی، تو ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ اپنے دل میں جھانک کر دیکھو، کس کی محبت زیادہ ہے؟ باپوں کی، بیٹوں کی، بھائیوں کی، بیویوں کی، قرابت داروں کی، مال و دولت کی، دل پسند مکانات کی، تجارت و کاروبار کی یا اللہ، اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد کی۔ اگر محبت کی ترازو میں اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد کا وزن کم ہے، تو یہ اللہ سے بے وفائی ہے، اس کی نافرمانی ہے، اور اس کا فیصلہ بے وفائی کرنے والوں اور نافرمانی کرنے والوں کے حق میں بڑا عبرتناک ہوتا ہے۔

کشمیر، فلسطین، جیسے میدان بھی ہمیں پکار رہے ہیں، ملت کا مستقبل بھی دستک دے رہا ہے۔ جو قومیں جہاد اور موت سے گریز نہیں کرتیں، ذلت و بیچارگی ان کے پاس پھٹک نہیں سکتی۔ ہم کتنے ہی کارخانے لگالیں، کتنی ہی سڑکیں بنالیں، کتنے ہی تعلیمی ادارے کھڑے کر دیں، اللہ تعالیٰ کو مطلوب و محبوب بنائے بغیر اور جہاد کی راہ اختیار کیے بغیر ہمارے لیے دنیا میں عزت و سربلندی کی کوئی راہ نہیں، آخرت کی بہترین اور ابدی نعمتوں میں سے بھرپور حصہ بھی اسی صورت میں ہمیں نصیب ہو سکتا ہے۔

زندگی را بقا از مدعا است کاروانش را درا از مدعا است

زندگی کی بقا مقصد سے ہے، اس کے کاروان کی پیش رفت مقصد سے ہے۔

زندگی در جستجو پوشیدہ است اصلِ او در آرزو پوشیدہ است

زندگی جستجو میں پوشیدہ ہے، زندگی کی جڑ آرزو میں پوشیدہ ہے۔

آرزو را در دلِ خود زندہ دار تا نہ گردد مشتِ خاکِ تو مزار

آرزو اپنے دل میں زندہ رکھو تاکہ تمھاری مشتِ خاک مزار نہ بن جائے۔

دعا یہ کرو

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ

اے میرے اللہ!

مجھے ان لوگوں میں سے کردے

جو نیکی کریں

۔ تو خوش ہوجائیں!

اور برائی کر گذریں

۔ تو استغفار کریں

(مشکوٰۃ المصابیح)

اے اللہ! ہماری یہ دعا قبول کرلے

اعجاز القرآن

ڈاکٹر خالد علوی

قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات محکم ہیں اور جنھیں خدائے حکیم و خبیر نے مفصل بیان کیا ہے۔ یہ انوکھی کتاب ہے جس کے الفاظ تبدیل و تحریف سے محفوظ ہیں اور جس کے احکام کو منسوخ کرنے والی کوئی کتاب نہیں آئے گی۔ یہ وہ کتاب ہے جس کے اخبار و قصص ٹھیک ٹھیک واقع کے مطابق ہیں اور جس کا کوئی بیان عقل و حکمت کے خلاف نہیں۔ یہ ایسی کتاب ہے جو علوم کا سرچشمہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ (ہود ۱۱: ۱)

ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں، پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں، ایک حکیم و خبیر کی طرف سے۔

اس کتاب میں ایک جہان معنی آباد ہے، اس کے اتنے پہلو ہیں کہ ان کا احاطہ ممکن نہیں۔ یہ اس رب کی کتاب ہے جو اپنے بارے میں کہتا ہے:

يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ (الرحمن ۵۵: ۲۹)

سب آسمان و زمین والے اس سے اپنی حاجتیں مانگتے ہیں اور وہ ہر روز ایک نئی شان میں ہے۔

اگر نازل کرنے والے کی یہ شان ہے تو منزل کلام کی کیا شان ہوگی۔ یہ کتاب پڑھنے اور سننے والے کے لیے ہر دفعہ نیا سامان فکر و عمل مہیا کرتی ہے۔ اس کے صرف ایک پہلو اعجاز القرآن پر چند نکات پیش کیے جا رہے ہیں۔

اعجاز کا مفہوم: اعجاز کے مفہوم میں عاجز کر دینا شامل ہے۔ معجزہ عاجز کرنے والا واقعہ یا عمل ہے۔ ایک ایسا کام جس کے کرنے سے انسانی قدرت عاجز ہو اور اس کا ضعف و بے بسی واضح ہو۔ (ابن منظور، لسان العرب، ۵۔ ۳۶۹۔ ۱۔ ۳۷)

یہ عجز اور بے بسی صرف وقتی نہ ہو بلکہ استمرار زمانہ سے یہ ضعف انسانی اور مبرہن ہو جائے۔

اعجاز کی تاثیر کا تعلق رب کریم کی ذات سے ہے۔اس کی قدرت کاملہ کا ظہور کسی خاص وقت میں کسی ایسے طریق پر ہوتا ہے کہ عقول انسانی حیرت زدہ اور فکر و فہم انسانی مبہوت ہو جاتے ہیں۔ عقل و فکر کے وہ تمام پیمانے عاجز رہ جاتے ہیں جن سے انسان مختلف اشیا کو اپنی گرفت میں لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیا و رسل کے ذریعے ایسے واقعات کو ظہور بخشتا ہے جن کو دیکھ کر انبیا کے مخاطبین حیران و ششدر رہ جاتے ہیں۔

معجزہ اللہ تعالیٰ کا خاص فعل ہے 'کیونکہ کائنات کا نظام اس کی عادت عامہ کے مطابق چل رہا ہے جسے ہم علمی زبان میں natural physical laws کہتے ہیں۔ پوری کائنات ان قوانین طبعی کے اندر جکڑی ہوئی ہے۔اس کی غالب قوت نے جو ضوابط طے کر دیے ہیں یہ کائنات بے چون و چرا ان کے مطابق چل رہی ہے۔

"اور سورج ہے کہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے اور یہ زبردست علیم ہستی کا باندھا ہوا حساب ہے اور چاند ہے کہ اس کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں۔یہاں تک کہ ان سے گزرتا ہوا وہ پھر کھجور کی سوکھی شاخ کے مانند رہ جاتا ہے۔نہ سورج کے بس میں یہ ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے۔سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں"۔ (یٰسین ۳۶: ۳۸-۴۰)۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت خاصہ کے تحت قانون طبعی معطل ہو جاتا ہے اور ایک خاص واقعہ رونما ہوتا ہے جس کی توجیہ مادی قوانین کے تحت نہیں کی جا سکتی۔ایسا ہونا اس امر کی دلیل ہوتا ہے کہ خالق کائنات نے اپنی قدرت کے اظہار اور اپنے کسی خاص بندے کی تائید میں ایک خرق عادت واقعہ کو صادر کیا ہے۔یہ واقعہ دو اعتبار سے معجزہ ہوتا ہے' ایک لحاظ سے وہ قانون عامہ کو توڑ دیتا ہے جو ایک انوکھا صدور ہوتا ہے اور دوسرے اعتبار سے وہ عام انسانوں کو کر دیتا ہے کہ وہ اسی طرح کا کوئی کام کر سکیں۔ معجزہ چونکہ خدائی فعل ہوتا ہے اس لیے جن برگزیدہ ہستیوں کی تائید میں واقع ہوتا ہے وہ بھی اسے الٰہی فعل ہی قرار دیتی ہیں۔

قانون عامہ اور عادات خاصہ سنۃ اللہ کے مظاہر ہیں اور تاریخ انسانی میں ان کا ظہور ایک مسلم حقیقت ہے۔بائبل اور قرآن دونوں معجزات کے وقوع پذیر ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔تاریخ انبیا پر نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیا و رسل کی تائید میں معجزات کا ظہور کرتا رہا ہے۔ معجزہ نبوت کی دلیل ہوتا ہے اور اس کی عملی تصدیق۔امر واقعہ یہ ہے کہ نبی جب نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب سے خصوصی تعلق ہے' اور میری اطاعت کے بغیر نجات کی کوئی راہ نہیں اور اس کی حقانیت پر وہ یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں اور زبان سے وہ

چیزیں ظاہر فرمائے گا جو اس کی عادت عامہ کے خلاف ہوں گی اور تمام انسان مل کر بھی اس کی نظیر لانے سے عاجز ہوں گے۔ لہٰذا جب معجزے کا ظہور ہوتا ہے تو وہ نبوت کی تصدیق اور اس کی حقانیت کی دلیل ہوتا ہے۔

قرآن ایک بڑا معجزہ: تمام انبیا کی تائید و تصدیق کے لیے معجزات کا ظہور ہوا اور حضور اکرمؐ کو بھی اللہ تعالیٰ نے کئی معجزات عطا کیے لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن سب سے بڑا معجزہ ہے۔ سابقہ معجزات وقتی اور ہنگامی تھے۔ اس کی تاثیر ایک خاص تاریخی حقیقت تھی۔ بعد میں اس کی حیثیت ایک تاریخی واقعہ کی رہ جاتی ہے' لیکن قرآن کی معجزاتی حیثیت قائم و دائم ہے۔ یہ اس وقت بھی معجزہ تھا جب نازل ہو رہا تھا اور یہ اب بھی معجزہ ہے اور قیامت تک معجزہ رہے گا۔ قرآن' رسول اللہؐ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل اور انوار الٰہی کے انعکاس کا سب سے بڑا مظہر ہے۔

قرآن پاک جب نازل ہو رہا تھا تو بے بصیرت جاہلی عرب آپ پر الزام لگاتے تھے کہ آپ کہیں سے قصے کہانیاں پڑھ پڑھا کے انھیں سنا دیتے ہیں۔ یہ وہی اعتراض ہے جسے دور حاضر کے عالم نما جاہل مستشرق انوکھی تحقیق (Original research) کے نام سے پیش کر رہے ہیں کہ قرآن حضور اکرمؐ کی تصنیف ہے۔ جاہلی عربوں نے آپؐ پر جنوں کے زیر اثر ہونے اور شاعر و ساحر ہونے کے الزام لگائے تاکہ قرآن پاک کی غیر معمولی تاثیر کے خارجی عوامل تلاش کیے جائیں۔ غور سے دیکھا جائے تو ان الزامات کے پیچھے ان کی عاجزی و درماندگی جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس کتاب کو پیش کرنے والے نے کسی درس گاہ میں تعلیم پائی' نہ کسی لائبریری میں مطالعہ کے لیے بیٹھے' نہ کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

آپؐ کا امی ہونا تاریخ کی بدیہیات میں سے ہے۔ امی کی تعبیرات میں کئی باتیں کہی گئی ہیں لیکن اصل حقیقت مبرہن ہے کہ آپ انسانی معیارات کے لحاظ سے تعلیم و تعلم اور نوشت و خواند سے غیر متعلق رہے۔ اولیں مخالفین سے لے کر دور حاضر کے معاندین تک کسی کو یہ جرات نہیں ہوئی کہ آپ کے سلسلہ تعلیم و تعلم کو ثابت کر سکے۔ ایک ایسی شخصیت ایک ایسا کلام پیش کرتی ہے جو بڑے بڑے فصحا کو گنگ کر دیتی ہے۔ اور بڑے بڑے عقلا کو حیران و ششدر کر دیتی ہے' معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟

اعجاز القرآن کے دلائل:

نبیؐ کے دعوائے نبوت کی اساس قرآن ہے' لہٰذا جب یہ دعویٰ کیا جا رہا تھا تو کیا لوگ پیش کرنے والے کی شخصیت کو نہیں دیکھ رہے تھے؟

نبی اکرمؐ اپنے کردار اور اپنے حسب و نسب کے لحاظ سے ممتاز و محترم تھے۔ قرآن نے اسے بطور

دلیل پیش کیا ہے کہ اس کردار کا شخص غلط بات نہیں کہہ سکتا۔ ان کی پوری زندگی تمھارے سامنے ہے۔ کیا اس سے پہلے انھوں نے کبھی ایسی بات کی ہے؟ یہ کلام الہٰی ہے جو ان کی زبان مبارک پہ جاری ہے۔

آپ یوں فرما دیجیے کہ "اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو نہ تو میں تمھیں یہ کلام پڑھ کر سناتا اور نہ اللہ تعالیٰ تمھیں اس کی اطلاع دیتا کیونکہ اس سے پہلے بھی تو میں عمر کے ایک بڑے حصے تک تم میں رہ چکا ہوں۔ کیا تم اتنی عقل نہیں رکھتے (یونس ۱۰: ۱۶)۔

حضور اکرمؐ افصح العرب تھے لیکن آپ کے کلام اور قرآن پاک میں ایک واضح فرق تھا جسے ہر ہوش مند نے محسوس کیا۔ آپؐ کے قدیم ترین سیرت نگار محمد بن اسحاق نے مشہور تابعی محمد بن کعب القرضی سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ قریش کے سردار مسجد حرام میں اپنی محفل جمائے بیٹھے تھے اور اس کے دوسرے گوشے میں حضور اکرمؐ تنہا تشریف فرما تھے۔ اسلام کا روز افزوں اثر زیر بحث تھا کہ عتبہ بن ربیعہ سرداران قریش کی اجازت سے آپؐ کے پاس گیا اور مال و دولت اور علاج کی تجاویز رکھیں ' آپؐ نے اسے حم السجدہ سنائی اور آیت سجدہ ۳۸ پر پہنچے تو سجدہ کیا۔ عتبہ جب قریش کی طرف چلا تو قریش نے اس کے چہرے کا بدلا ہوا رنگ دیکھا تو کہا یہ وہ صورت نہیں جو لے کر گیا تھا۔ عتبہ نے آکر کہا: بخدا میں نے ایسا کلام سنا کہ کبھی اس سے پہلے نہ سنا تھا۔ خدا کی قسم نہ یہ شعر ہے ' نہ سحر ' ہے نہ کہانت۔ اے سرداران قریش میری بات مانو اور اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کلام کچھ رنگ لا کر رہے گا۔ فرض کرو اگر عرب اس پر غالب آگئے تو اپنے بھائی کے خلاف ہاتھ اٹھانے سے تم بچ جاؤ گے ' اور دوسرے اس سے نمٹ لیں گے۔ لیکن اگر وہ عرب پر غالب آگیا تو اس کی بادشاہی تمھاری بادشاہی اور اس کی عزت تمھاری عزت ہوگی۔ سرداران قریش نے کہا: ابو الولیہ! آخر اس کا جادو تم پر چل ہی گیا (ابن ہشام السیرہ النبویہ ' ۳۱۲۔ ۳۱۴)۔

مشرکین مکہ پر واضح ہو چکا تھا کہ قرآن انسانی کلام نہیں۔ پھر ان پر یہ بات بھی واضح تھی کہ قرآن جن علوم و معارف اور جن واقعات و حقائق کو بیان کرتا ہے انھیں سیکھنے کا کوئی وسیلہ بھی آپؐ کو میسر نہ تھا۔ آپؐ کی یتیمی ' جوانی میں کاروبار تجارت اولاد کی پرورش اور پھر دنیا سے الگ تھلگ غار حرا میں تفکر ' حیات طیبہ کے وہ ادوار ہیں جو کھلی کتاب کی طرح ان کے سامنے تھے۔ ان میں اکتساب علوم اور تحصیل فنون کی کہاں گنجائش تھی؟ اور اگر ایسا ہوتا تو مخالفین سے کیسے اوجھل ہو سکتا تھا۔ پھر حجاز میں کون سی یونیورسٹیاں ' لائبریریاں اور ماہرین فن تھے جن سے اکتساب فیض کیا جا سکتا تھا۔ ایک امی ' وسائل تعلیم سے ناآشنا یکایک علم و حکمت اور دانش و عرفان کے جواہر لٹانے لگتا ہے ' تو ظاہر ہے کہ اس کا تعلق کسی اعلیٰ ماخذ سے قائم ہو گیا ہے اور یہی اس بیان کے کلام اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ جس کی

تصدیق عتبہ کے دل و دماغ نے کی۔

قرآن کا اسلوب: اعجاز کی ایک اہم دلیل قرآن پاک کا بلیغانہ نظم و اسلوب ہے۔اس کے الفاظ اس کی تراکیب 'اس کے جملے اور اس کی عبادات کا اندرونی نظم و ربط وہ اہم خصائص ہیں جن کی بنیاد پر قرآن مجید ایک منفرد کتاب قرار پاتی ہے۔ قرآنی سورتوں پر نظر ڈالیے۔اس کے الفاظ و تراکیب پر غور کیجیے 'فصاحت کا ایک دریا بہہ رہا ہے۔ آیتوں کی ابتدا اور اختتام 'سورتوں کی انفرادیت اور مضامین کا تنوع اور پورے قرآن میں عبارت کا تسلسل' معانی کی تنظیم حیران کر دینے والی ہے۔ علما بلاغت نے کہا ہے کہ قرآنی اعجاز کے تین پہلو واضح ہیں:

(۱) الفاظ کی فصاحت ' جیسے ایک دریا کی روانی ہے۔ (۲) معانی کی بلاغت 'جس میں امثال قصص ' اوامر و نواہی 'وعدہ و وعید اور حسن موعظت بطریق احسن سموگئے ہیں۔ (۳) نظم 'یعنی قرآن میں جو کچھ مذکور ہے اس میں ایک خوبصورت تنظیم پائی جاتی ہے۔کہیں بے ربطی نہیں۔

اعجاز کے یہ تینوں پہلو پورے قرآن کو محیط ہیں۔اس کی چھوٹی سے چھوٹی آیت سے لے کر بڑی سے بڑی سورت تک میں فصاحت و بلاغت اور نظم کو دکھایا جا سکتا ہے۔ عبدالقاہر جرجانی (م: ۴۷۴) نے دلائل الاعجاز میں اعجاز القرآن کے مختلف اطراف کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔اسی طرح قاضی ابوبکر باقلانی (۴۰۳ھ)' خطابی (۳۸۸ھ)' فخرالدین رازی (۶۰۶ھ) اور ادیب ابن ابی الاصبع (۶۵۴ھ) وغیرہم نے اپنے اپنے انداز سے بیان کرنے کی سعی کی ہے۔قرآن کے اسلوب میں ظاہری شکوہ بھی ہے۔ اور داخلی استحکام بھی۔اس کا انداز نہ صرف حیران کرنے والا ہے بلکہ معجز بھی ہے۔

قرآن کی تاثیر: قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اس کا اسلوب و نظم ایسا ہے کہ انسان اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔نزول قرآن کے وقت عربوں کی فصاحت و بلاغت ' نقطہ عروج پر تھی۔ اس وقت ان کا قرآن سے متاثر و مرغوب ہونا اس کے اعجاز کی اہم دلیل ہے۔اس کی قرات نے عمر بن الخطاب پر کیا اثر چھوڑا۔اقبال نے اگرچہ تلمیذ بن خطاب کے سوز کا ذکر کیا ہے لیکن فی الحقیقت وہ قرآنی عبارت و معانی کی تاثیر تھی۔انھوں نے جب اس کی تلاوت سنی تو متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

جنوں کی ایک جماعت نے اس کتاب کو سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا جو بھلائی کا راستہ بتاتا ہے۔سو ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے (جن ۷۲: ۱-۲)۔

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو اے مخاطب! تو کیا دیکھتا کہ اللہ کے خوف سے وہ دب جاتا اور پھٹ جاتا اور ان مضامین کو لوگوں کے نفع کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ تفکر کریں۔

(الحشر ۵۹: ۲۱)۔

اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے ' بار بار دہرائی گئی ہے جس سے ان لوگوں کے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ' بدن کانپ اٹھتے ہیں ۔ پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے جس کو وہ چاہتا ہے اس کے ذریعے سے ہدایت کرتا ہے اور اللہ جس کو گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں (الزمر ۳۹: ۲۳)۔

نجاشی کے دربار میں جعفر طیارؓ نے جب سورہ مریم کی چند آیات پڑھیں تو نجاشی پر رقت طاری ہو گئی اور آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور پھر کہا: خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے نور ہیں"۔ (السیرہ النویہ ۔۵۹ ۳)۔

صحابہ کی زندگی قرآن کی تاثیر کے واقعات سے مالا مال ہے ۔ امت کی ۱۴سو سالہ تاریخ میں ایسے واقعات کا ایک تسلسل ہے ۔ آج بھی کلام اللہ کی تاثیر دیکھی جا سکتی ہے ۔ ایسے بے شمار واقعات ہیں کہ صرف قرآن پاک کی تلاوت نے شخصیتوں کا رنگ بدل دیا ۔ دنیا کے اندر اس انداز سے پڑھی جانے والی کوئی کتاب موجود نہیں ہے اور دنیا میں کوئی دوسری کتاب نہیں جس کی تاثیر کا معجزہ اب بھی پوری طرح کار فرما ہو۔

قرآنی تعلیم: جس طرح قرآن کا اسلوب ' اس کی زبان ' اس کی تراکیب اور اس کی فصاحت و بلاغت معجز ہے ۔ اسی طرح اس کے مضامین اور اس کی تعلیمات بھی ۔ عقائد و احکام ' اوامر و نواہی ' قصص و امثال ' عبر و نصائح ' تجزیے اور تبصرے ' وعدہ و وعید ' تبشیر و انذار ' اخبار غیب اور مستقبل کی پیش گوئیاں ' سب اس انداز سے سمو دیئے گئے ہیں کہ اس سے اس کتاب کی انفرادیت و یکتائی بالکل واضح ہو گئی ہے ۔ یہ ایک جامع اور مفصل کتاب ہے ۔ یہ ہدایت و رہنمائی ہے ۔ یہ نور اور برہان ہے ۔ یہ تذکرہ و تبصرہ ہے ۔ کتاب مفصل ہے ۔ شفا و نور ہے ۔ کتاب نصیحت ہے ۔ یہ تمام صفات وہ ہیں جس کا تذکرہ وہ خود کرتی ہے ' یہ اس کا دعویٰ ہے ۔

اس روشن کتاب نے زندگی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں جامع تعلیم عطا فرمائی ہے ۔ قرآنی علوم کا دریاے ناپید ہے ۔ اس مختصر کتاب میں اسرار حیات و کائنات سمو دیے گئے ہیں ۔ جس کا جتنا ظرف اور جیسا فہم ہو گا اس کے مطابق استفادہ کرے گا ۔ جوں جوں انسانی معرفت بڑھتی جائے گی ' توں توں قرآنی اسرار منکشف ہوتے جائیں گے ۔ قرآنی تعلیم اس کے اعجاز کا ایک اہم پہلو ہے کیونکہ جو بات اس میں جس انداز سے کہی گئی وہ اپنی مثال آپ ہے ۔

حفاظت قرآن: اعجاز القرآن کا ایک پہلو اس کی حفاظت ہے ۔ کتب سماویہ میں یہ اعزاز صرف

قرآن کو حاصل ہے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود نازل کرنے والے نے لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حفاظت کا وعدہ بھی فرمایا ہے اور ذمہ بھی لیا ہے۔ یہ واحد کتاب ہے جس کی داخلی شہادت اس کی حفاظت کو واضح کرتی ہے۔ ارشاد باری ہے اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰـفِظُوۡنَ (الحجر۱۵: ۹)۔

ہم نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"جس شان و ہیبت سے وہ اترا ہے بغیر ایک شوشہ یا زیر زبر کی تبدیلی کے' چار دانگ عالم میں پہنچ کر رہے گا اور قیامت تک ہر طرح کی تحریف لفظی و معنوی سے محفوظ رکھا جائے گا۔ زمانہ کتنا ہی بدل جائے 'مگر اس کے اصول اور احکام نہ بدلیں گے۔ زبان کی فصاحت و بلاغت اور علم و حکمت کی موشگافیاں کتنی ہی ترقی کر جائیں 'پر قرآن کے صوری و معنوی اعجاز میں ہرگز ضعف و انحطاط محسوس نہ ہو گا۔ قومیں اور سلطنتیں قرآن کی آواز کو دبانے یا گم کر دینے میں ساعی ہوں گی ' لیکن اس کے ایک نقطے کو گم نہ کر سکیں گی۔ حفاظت قرآن کے متعلق یہ عظیم الشان وعدہ الٰہی ایسی صفائی اور حیرت انگیز طریقے سے پورا ہو کر رہا ہے جسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصب و مغرور مخالفوں کے سر نیچے ہو گئے۔ سر ولیم میور کہتا ہے: "جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی کتاب نہیں جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو"۔ ایک اور یورپین محقق لکھتا ہے کہ ہم ایسے ہی یقین سے قرآن کو بعینہ محمدؐ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسے مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں"۔

کاتبوں نے رسم الخط کی ' قاریوں نے طرز ادا کی ' حافظوں نے اس کے الفاظ و عبارت کی وہ حفاظت کی کہ نزول وقت سے لے کر آج تک ایک زیر و زبر تبدیل نہ ہو سکا۔ کسی نے قرآن کے رکوع گن لیے 'کسی نے آیتیں شمار کیں 'کسی نے حروف کی تعداد بتلائی حتیٰ کہ بعض نے ایک ایک اعراب اور ایک ایک نقطہ شمار کر ڈالا۔ آنحضرتؐ کے عہد مبارک سے آج تک کوئی لمحہ یا کوئی ساعت ایسی نہیں بتلائی جا سکتی جس میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں حفاظ قرآن کی موجودگی نہ رہی ہو۔ خیال کرو آٹھ دس سال کا بچہ جسے اپنی مادری زبان میں دو تین جز کا رسالہ یاد کرانا دشوار ہے۔ وہ ایک اجنبی زبان کی اتنی ضخیم کتاب جو متشابہات سے پر ہے 'کس طرح فرفر سنا دیتا ہے۔ پھر کسی مجلس میں ایک بڑے باوجاہت عالم و حافظ سے کوئی حرف چھوٹ جائے یا اعراب کی فروگذاشت ہو جائے تو ایک بچہ اس کو ٹوک دیتا ہے۔ چاروں طرف سے تصحیح کرنے والے للکارتے ہیں۔ ممکن نہیں کہ پڑھنے والے کو غلطی پر رہنے دیں۔ حفظ قرآن کے متعلق ہی یہ اہتمام و اعتنا عہد نبوت میں سب لوگ مشاہدہ کرتے تھے۔ اسی طرح وَاِنَّا لَهٗ لَحٰـفِظُوۡنَ فرما کر اس وقت کے منکرین کو توجہ دلائی۔ (فوائد عثمانی '

۳۴۷-۳۴۸)۔

اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے قلب اطہر میں قرآن مجید کو صحیح ترتیب کے ساتھ محفوظ کرنے سے لے کر خلق خدا کے لیے دائمی طور پر محفوظ کرنے تک کی ذمہ داری اپنے سر لی ہے اور اس کی قدرت و مشیت کا معجزہ ہے ۔ کہ یہ کتاب اس وقت اسی طرح موجود ہے جس طرح پیغمبر پر اتاری گئی تھی ۔

غلطی اور عیب سے مبرا : قرآن کا دعویٰ ہے کہ یہ کلام اللہ ہے ۔ اس میں کسی انسانی مداخلت کی گنجائش نہیں ' یہ بے عیب ہے ۔ اس میں باطل کی مداخلت نہیں ۔ یہ واضح اور مبرہن کتاب ہے ۔ اس میں کوئی تضاد و اختلاف نہیں ۔ قرآن مجید نے ان پہلوؤں کو مختلف اسالیب سے واضح کیا ہے ۔

"اور ہم نے اس قرآن کو سچائی کے ساتھ نازل کیا ہے اور وہ سچائی کے ساتھ نازل ہوا ' اور اے پیغمبرؐ ہم نے آپ کو خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے" ۔ (بنی اسرائیل ۱۷: ۱۰۵) ۔

"اور یہ تو ایک عالی مرتبہ کتاب ہے ' اس پر جھوٹ نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے ' دانا اور خوبیوں والے (رب) کی طرف سے اتاری ہوئی ہے" (حم السجدہ ۴۱: ۴۲) ۔

"بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے ۔ اگر چہ اللہ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے" ۔ (النسا ۴: ۸۲) ۔

مشرکین مکہ یہ سمجھتے تھے کہ حضورؐ خود قرآن تصنیف کرتے ہیں لہٰذا اس میں تبدیلی بھی ہو سکتی ہے ۔ کبھی کبھی وہ تبدیلی کا مطالبہ بھی کرتے تھے ۔ قرآن نے نبی اکرمؐ کے ذریعہ نہ صرف اس بات کی تردید کرائی اور کہا کہ قرآن میں ردوبدل ان کے اختیار میں نہیں بلکہ یہ بھی کہلوایا کہ اگر اللہ کی طرف کوئی غلط منسوب کی گئی تو ایسا کرنا قابل گرفت ہو گا ۔

اور جب ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی امید نہیں وہ کہتے ہیں کہ یا تو اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا اس کو بدل دو ۔ آپ فرما دیں کہ مجھ کو اختیار نہیں ہے کہ اسے اپنی طرف سے بدل دوں ۔ میں تو اسی حکم کا تابع ہوں جو میری طرف آتا ہے ۔ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے (سخت) دن کے عذاب سے خوف آتا ہے (یونس ۱۰: ۱۵) ۔

قرآن کا چیلنج : قرآن مجید نے کلام اللہ ہونے کی بنیاد پر اہل عرب کو بالخصوص اور پوری انسانیت کو بالعموم یہ چیلنج دیا ہے کہ ایسا کلام لاؤ ۔ یہ چیلنج آج بھی قائم ہے ۔ وہ تمام لوگ جو اسے کلام اللہ تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں ایسا جامع صفات کلام پیش کریں ۔ قرآن نے اس چیلنج کو تین مقامات پر مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے ۔ (یونس ۱۰: ۳۷-۳۸ ۔ بقرہ ۲: ۲۳-۲۴ ۔ بنی اسرائیل

۸۸)۔

قرآن پاک کا اعجاز ہے آج بھی مشرکین ' کافرین اور منکرین کے لیے ایک چیلنج ہے اور یہ چیلنج قیامت تک کے لیے قائم ہے۔ قرآن کی فصاحت و بلاغت ' اس کا نظم و اسلوب ' اس کے علوم ' اس کی اخبار غیب ' اس کی تعلیمات ' اور اس کے احکام ' اس کے قصص و عبر اس کے نصائح و مواعظ ' اس کی تبشیر اور انذار ' اس کی ہدایت و شفا ' اس کا نور اور رحمت انسانوں کے لیے دعوت غور و فکر ہے اور اس کا ہر پہلو اعجاز کی بے پایاں قوت کا حامل ہے۔ اقبال نے سچ ہی تو کہا ؎

فاش گویم آں چہ در دل مضمر است — ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
چوں مسلماناں اگر داری جگر — در ضمیرِ خویش و در قرآں نگر
صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست — عصرہا پیچیدہ در آناتِ اوست
بندہ مومن ز آیاتِ خداست — ہر جہاں اندر برِ او چوں قباست
چوں کہن گردد جہانے در برش — می دہد قرآں جہانے دیگرش

میرے دل میں جو کچھ پوشیدہ ہے اسے میں صاف طور سے کہتا ہوں کہ یہ (قرآن) محض کتاب ہی نہیں ہے بلکہ ایک نئی چیز یعنی پیغامِ انقلاب ہے۔ اگر تیرے اندر مسلمانوں کا سا حوصلہ ہے تو اپنے ضمیر اور قرآن میں غور و فکر کر (تجھے معلوم ہو گا کہ) قرآنی آیات میں سیکڑوں نئے جہان ہیں اور اس کی ہر آن (لمحے) میں سیکڑوں زمانے لپٹے ہوئے ہیں۔ بندہ مومن اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور ہر زمانہ قبا کی مانند اس کی دسترس میں ہے۔ جب ایک جہاں اس کے لیے پرانا ہو جاتا ہے تو قرآن اسے ایک نیا جہاں دے دیتا ہے۔

اعتذار: گزشتہ ماہ اندرونی پہلے صفحہ پر سہواً ' اپریل درج ہو گیا تھا۔ یہاں مارچ ۹۶ پڑھا جائے۔

حاجی کے نام

خرم مراد

شوق سفر

میرے بھائی ' میری بہن !

تم حج کے لیے روانہ ہو رہے ہو- بڑی خوشی کی بات ہے- تمھاری خوش قسمتی اور سعادت پر رشک کرنے والے جتنا رشک کریں' کم ہے- اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ رحیم و شفیق آقا نے تمھیں اپنے گھر بلا بھیجا ہے' اپنا مہمان بنانے کے لیے منتخب کیا ہے' تمھارے لیے نہ ختم ہونے والے انعامات اور درجات کے راستے کھول دیے ہیں' محبوب کا دیار اب تمھاری منزل ہے اور اس کا دیدار بہت قریب- مبارک ہے سفر' مبارک ہے مسافر' مبارک ہے منزل' مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ' اور مبارک ہیں بلانے والے' تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ- مبارک ہو' کہ تمھارے لیے برکت ہی برکت ہے- بس سب سے پہلے تو دل و زبان سے ورد شروع کر دو:

رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ،

اے رب مجھے اتار بابرکت جگہ پر' تو ہی سب سے اچھا اور بہتر اتارنے والا ہے-

فِیْ جِوَارِ نَبِیِّكَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ حَظِیْرَةِ قُدْسِكَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ،

آپ کے نبی' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں' آپ کی مقدس مجلس میں' اپنی رحمت کے طفیل' اے ارحم الراحمین!

مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ مِنْ عِبَادِكَ الْمُقَرَّبِیْنَ، مِنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ،

اپنے ان مقرب بندوں کے ساتھ رکھ جن پر آپ نے انعام فرمایا: نبی' صدیق' شہید' اور صالح-

مَعَ الْمُقَرَّبِیْنَ الشُّهُوْدِ الطَّآئِفِیْنَ الْعٰكِفِیْنَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ، الْمُوْفِیْنَ بِالْعُهُوْدِ اِنَّكَ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ-

مقرب بندوں جو' طواف کرنے والے' اعتکاف کرنے والے' رکوع کرنے والے' سجدہ کرنے

والے ' اپنا عہد وفا کرنے والے ' آپ رحمت کرنے والے اور محبت کرنے والے ہیں '
مَعَ عِبَادِکَ الَّذِیْنَ تُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَکَ وَرَضِیْتَ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْکَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ،
جن سے آپ محبت کرتے ہیں اور جو آپ سے محبت کرتے ہیں جن سے آپ راضی ' اپنی رحمت کے طفیل ' اے ارحم الراحمین۔

جب حج کا موسم آتا ہے ' عشاق رخت سفر باندھتے ہیں ' دیار محبوب کا رخ کرتے ہیں ' حدی خوانوں کے نغموں اور لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کی پر شوق اور وجد آفرین صداؤں سے فضا گونجتی ہے ' تو دل مچلتا ہے بے تاب ہوتا ہے: کاش میں بھی ان مسافران عشق و وفا کا ہم سفر ہوتا! خود تو تہی دامن ہوں--- کہ عمر بھر کی کاوشوں کا حاصل حسرت و ندامت اور آرزو و تمنا کے سوا کچھ نہیں--- لیکن اس ہم رکابی سے شاید کسی عاشق صادق کی گر دپاکی ' کسی وارفتہ محبت کے جذب و شوق کی ' کسی شکستہ و درماندہ کی آہ و زاری کی ' کسی بے کس و محتاج کے نالہ و فریاد کی برکت کا چھینٹا میرے اوپر بھی پڑ جاتا ' اور اس کے طفیل وہ مجھے بھی کچھ اپنے سے قریب کھینچ لیتے ' جن کی قربت ہی اس زندگی کا حاصل و مدعا ہے ' جو انھوں نے ہی بخشی ہے ۔ اور پھر ' فَاَمَّآ اِنْ کَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ، فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِیْمٍ ، "پھر وہ مرنے والا اگر مقربین میں سے ہو تو اس کے لیے راحت اور عمدہ رزق اور نعمت بھری جنت ہے"۔ (الواقعہ ۵۶: ۸۹) کی کامرانی سے بڑی بھی کوئی نعمت ہے جس کی انسان آرزو کر سکتا ہے۔

یہ تمنا تو اب بظاہر تمنا ہی رہتی نظر آتی ہے ۔ صحت اور ہمت اور مہلت ' سب ہی راہ میں مانع لگتے ہیں ۔ مگر تمنا اور آرزو کا دامن کیوں چھوڑا جائے! اجر تو آرزو پر بھی ہے ' اور بھرپور اجر: غزوۂ تبوک کے موقع پر---- جس وقت میدان جہاد کی طرف نکلنا ' بیت اللہ کی طرف نکلنے سے بدرجہا زیادہ مطلوب اور افضل تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ میں ہمارے پیچھے ایسے لوگ ہیں جو نہ ہمارے ساتھ نکلے ' نہ انھوں نے کوئی منزل طے کی ' نہ وہ کسی وادی میں اترے ' مگر وہ ہمارے ساتھ ساتھ شریک سفر ہیں ' اور اجر میں بھی شریک ۔ ان کو مرض نے روک لیا ' یا عذر معقول نے (بخاری ، مسلم) ۔ ورنہ دل ان کے تیار اور بے تاب تھے ۔ ہم جیسے ' جو تمھاری طرح سفر پہ نہ جا سکنے والے ہیں ' کروڑوں ہیں ۔ ان کے لیے خوشی کا سارا سامان اسی بشارت میں ہے ' اور اس سامان کے حصول کا نسخہ بھی بتا دیا گیا ہے: دلوں کو اللہ کے گھر کے قرب کے لیے شوق کی فراوانی اور بے تابی سے آباد رکھو ' اس آرزو میں سلگتے رہو ۔ سفر نہ بھی کر سکتے ہو ' مگر جہاں کہیں بھی ہو ' جو کچھ بھی کر رہے ہو ' چہرہ کا رخ تو بیت اللہ کی طرف کرو ۔ وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ، وَحَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ شَطْرَہٗ ، (اور جہاں سے بھی تمھارا گزر ہو ' اپنا رخ مسجد حرام ہی کی طرف پھیرا کرو اور جہاں بھی تم ہو اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو" (البقرہ ۲: ۱۵۰)۔

دل اور زندگی کا رخ بھی رب البیت کی طرف رکھو ۔ پھر زندگی کے جس راستے اور کوچے کا رخ

کرو گے ' انھی کو سامنے پاؤ گے ۔ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۔

لیکن جانے والے مسافرو ' تم بھی سب سے پہلے یہ اچھی طرح جان لو کہ دل بے دار ہی اس سفر حج کے لیے تمھارا سب سے ضروری زاد راہ اور سب سے قیمتی رفیق ثابت ہو گا۔ دل کی زندگی کا سامان ' آرزو اور شوق سے ہوتا ہے ۔ محبوب کے بلاوے اور حکم پر لبیک کہنے کی ' ان کے گھر کی زیارت کی ' اس کے گرد چکر کاٹنے اور اس کے در و دیوار سے چمٹنے اور انھیں چومنے کی ' دنیا میں ان کے وجہ کریم پر نظر رکھنے کی ' اور آخرت میں ان کے دیدار کی آرزو اور شوق دل میں بساؤ ۔ پورے سفر میں بسائے رکھنا ۔ یہی سب سے قیمتی متاع سمجھنا ' جان سے لگا کر رکھنا ۔ اذکار و مناسک میں سے کچھ ضائع ہو جائے ' تو تلافی کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی ' اس متاع گراں بہا سے غافل ہو گئے اور یہ کھو گیا تو تلافی ممکن نہیں ۔ پھر تو صرف تن خاکی کا حج حصے میں آئے گا ' اس قلب کا نہیں جس کو قلب سلیم بنانے کے لیے حج مطلوب ہے ۔

آرزو را در دل خود زندہ دار	تا نہ گردد مشت خاک تو مزار

(اپنے دل میں آرزو کو زندہ رکھنا ورنہ مٹی کا جسم چلتا پھرتا مزار بن جائے گا)

آرزو اور شوق ' تعظیم اور محبت سے پیدا ہوتے ہیں ۔ اللہ کی عظمت کو نگاہ میں رکھو ' دل کو ان کی رحمت و محبت کی یاد سے معمور رکھو ' ان کے گھر کی شرف و کرامت اور عظمت و برکت پر نظر رکھو ۔۔ یہی شوق و آرزو کا منبع ہے ۔ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ " اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے " (الحج ۲۲: ۳۲) ۔

یہی وہ تقویٰ ہے ۔۔۔ تعظیم ' تشویق اور محبت کا مجموعہ ۔۔۔ جو حج کے سفر کا اصل زادِ راہ ہے ۔ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی ، " سفر حج کے لیے زاد راہ ساتھ لے جاؤ اور سب سے بہتر زاد راہ پرہیزگاری ہے " (البقرہ ۲: ۱۹۷) ۔

لذت تذکرہ

میرے بھائی ' میری بہن !

سوچا کہ شرف رفاقت نہ سہی ' تمھارے ساتھ ان بے انتہا لذتوں ' برکتوں اور کامرانیوں کا کچھ تذکرہ ہی ہو جائے ' جن کے خزانے اس سفر مبارک کے ہر قدم اور ہر منزل پر برستے ہیں ' جن سے ہر مسافر اپنی جھولی بھر سکتا ہے ۔۔۔ تم بھی ۔۔۔ لیکن جن سے بہت سے صرف اس لیے محروم رہ جاتے ہیں کہ انھیں کچھ ان کا پتا ہی نہیں ہوتا ۔ یہ تذکرہ تمھیں یاد رہ جائے ' کہیں یاد آ جائے ' اور تذکرہ کرنے والا بھی ' اور اس تذکرہ کی یاد سے تمھارے وفورِ شوق میں ' نشاط ذوق میں ' جذب محبت میں ' سوز دروں میں ' کیف آرزو میں کچھ اضافہ ہو جائے ' تو لکھنے والا شاید تمھاری ہم سفری کی ' برکت سے

زیادہ مالا مال ہو جائے۔ اور وہ کروڑوں جو سفر تو نہ کر سکیں گے لیکن دل بے تاب کے سہارے ' دوش آرزو پر شرکت کے متمنی ہوں گے ' وہ بھی اس تذکرہ سے اپنی آرزو اور شوق و بے تابی میں مزید رنگ اور حرارت پائیں گے۔ محبوب کے ذکر میں جو لذت ہے ' اس کے کیا کہنے ' لیکن وصول الی المحبوب کی راہ کے نشانات و مقامات اور منازل کے تذکرے میں بھی لذت و شاد کامی کا سامان کچھ کم نہیں۔ دیکھو جو عاشق حقیقی تھے ' انھوں نے تو ایک ہی حج حبیب رب العالمین کے ہمراہ کیا ' لیکن دیار محبوب کی طرف حبیبؐ کے اس سفر کے ذکر میں ان کے جذبہ محبت نے ایسی لذت پائی کہ اس کی ' حج وداع کی ' ایک ایک منزل ' ایک ایک واردات ' ایک ایک ادا ' ایک ایک نقش کو ' انھوں نے دل سے لگایا ' اور ایسے مزے لے لے کر بیان کیا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ یہ بیان ' ان کے جذبہ محبت کا ایسا نشان بن کر محفوظ ہو گیا ہے جس کی مثال ڈھونڈے سے نہ ملے گی۔ لیکن یہ ذکر لذیذ کسی اور وقت۔

سفر محبت

حج کی حقیقت کو تم ایک دفعہ پا لو ' اچھی طرح اور پوری طرح جان لو ' اسی کے مطابق خود کو ڈھالو ' اسی کی روشنی میں ہر قدم اٹھاؤ ' تو ایک کے بعد ایک ' حج کے فیوض و برکات اور انعامات و فتوحات کے دروازے تمھارے لیے کھلتے چلے جائیں گے۔

حج کیا ہے؟ اللہ سے محبت کرنا ' ان کی محبت پانا ' حج کا سفر محبت و وفا کا سفر ہے۔ اس کا مدعا اور حاصل اللہ کی محبت کے سوا کچھ نہیں۔ اس کا ہر عمل محبت و وفا کا عمل ہے ' اس کی ہر منزل محبت و وفا کی منزل ہے۔ یوں سمجھ ' کہ حج سارے کا سارا یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ " اللہ اپنے ان پروانوں سے محبت کرتے ہیں اور یہ پروانے ان کی محبت میں سرشار ہیں " کی مجسم اور متحرک تصویر ہے۔

دیکھو ' بات یہ ہے کہ اللہ تم سے ' اپنے بندوں سے ' بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ جیسا حضور پاکؐ نے ارشاد فرمایا ' وہ ماں باپ سے بھی کہیں زیادہ محبت والے ہیں۔ وہ اپنی ذات میں بے انتہا رحمت اور محبت کرنے والے ہیں ' اللہ کو پکارو یا الرحمٰن کو ' ایک ہی بات ہے۔ گویا اللہ کے معنی ہی الرحمٰن ہیں۔ ساتھ ہی وہ سارے دنیا والوں پر اپنی بے پایاں رحمتوں کی مسلسل بارش کر رہے ہیں۔ دنیا میں مخلوقات کے درمیان تم جہاں بھی اور جتنی بھی رحمت دیکھتے ہو ' وہ سب بھی ان ہی کی رحمت کا جلوہ ہے۔ مگر دنیا میں وہ جتنی رحمت کر رہے ہیں ' وہ ان کی رحمت کے ایک سو میں سے ایک حصہ کے برابر بھی نہیں ' اگرچہ اس کا بھی احاطہ اور شمار ممکن نہیں۔ ننانوے حصے انھوں نے آخرت میں عطا کرنے کے لیے رکھے ہوئے ہیں۔

یہ ان ہی کی رحمت اور محبت ہے کہ انھوں نے ' ہمیں قرآن عطا کیا ' تاکہ ہم آخرت کی رحمتوں میں سے حصہ پا سکیں۔ رسول پاکؐ جو رحمت للعالمین اور رؤف و رحیم ہیں ' ہمارے اوپر اللہ کی رحمت

و شفقت کا مظہر ہیں (لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ..... الخ)۔ موت کے بعد زندگی بخشنا اور اعمال کی جزا دینا بھی ان کی رحمت کا تقاضا ہے (کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ، لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ)۔ ہمیں دین اسلام عطا کر کے تو انھوں نے رحمت و انعام کی انتہا کر دی' یہ ان کی نعمت کا اتمام ہے' کہ یہی آخرت میں ان کی رحمت تک پہنچانے کا راستہ ہے (وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ)۔ یہ بھی ان کی ہمارے ساتھ محبت کا ثمر ہے' ان کا فضل اور نعمت ہے کہ انھوں نے اپنے اوپر ایمان' ہمارے دلوں میں ڈال دیا' اسے دلوں کی زینت بنا دیا' اسے ہمارے لیے محبوب بنا دیا۔ ان کے ساتھ ہماری جتنی محبت ہے' ہوگی' وہ ان کی محبت (یُحِبُّھُم) اور ایمان کا ثمر ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ' جو ایمان والے ہیں' وہ سب سے شدت سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ ایمان کی ساری شیرینی' مزا اور رنگ ان کے ساتھ اسی محبت کے دم سے ہے۔

یہ بیان محبت ذرا طویل ہوگیا۔ لیکن محبت کے بیان کی لذت! دل چاہتا ہے کہ ختم ہی نہ ہو۔ محبت کے سفر کی لذت! دل چاہتا ہے کہ وقت سے پہلے شروع ہو جائے' ختم ہونے کا نام نہ لے' اس کی ہر زحمت میں لذت کی چاشنی ملتی ہے۔ حج کی حقیقت کو دل کی گہرائیوں میں پا لینے کے لیے کم سے کم اتنا بیان لذیذ ہی نہیں ضروری بھی تھا۔

دیکھو' ویسے تو اس دین کا ہر حکم' جو نعمت و محبت کا اتمام ہے' بندوں سے ان کی محبت کا مظہر ہے' اور ان کی محبت کے حصول کا راستہ' جو بندوں کی غایت ہے۔ "سجدہ کس لیے کرو؟" تاکہ ہم سے قریب ہو جاؤ۔ "مال کس لیے دو؟" عَلٰی حُبِّہٖ، ان کی محبت میں' ان کی محبت و رضا کے لیے۔ احکام' حرام و حلال کے ہوں' اخلاق و معاملات کے' ہجرت و جہاد کے--- سب ہم پر ان کی شفقت رحمت پر مبنی ہیں۔ مگر حج کی بات ہی دوسری ہے۔ یہ تم سے اللہ کی محبت کا' اور ان کی محبت کے اظہار کا بے مثال مظہر ہے' اور تمھارے لیے ان سے محبت کرنے کا' اپنی محبت کا اظہار کرنے کا اور ان کی محبت پانے کا انتہائی کامیاب و کارگر نسخہ۔ عبادات میں اس پہلو سے اس کی کوئی نظیر نہیں۔

ذرا غور کرو۔ اللہ تعالیٰ لامکان ہیں' وہ ہر جگہ موجود ہیں' وہ کسی مکان میں سما نہیں سکتے' ہر ذرہ اور لحہ ان کا ہے' اور ان کی جلوہ گاہ--- لیکن یہ ان کی ہم جیسے اسیر مکان و زماں بندوں سے بے پناہ محبت نہیں تو اور کیا ہے کہ انھوں نے' ہمیں اپنی محبت دینے اور ان سے محبت کرنے کی نعمت بخشنے کی خاطر' مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں ایک بظاہر بالکل سادے اور معمولی گھر کو "اپنا گھر" بنا لیا' اور مشرق و مغرب میں تمام انسانوں کو اپنے اس گھر آنے کا بلاوا بھیجا' کہ آؤ' سب کچھ چھوڑ کر آؤ' لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کہتے ہوئے آؤ۔ پتھروں کے اس گھر آؤ' اس گھر میں اپنے خدائے لامکان کی محبت اور قربت حاصل کرو۔ اس گھر میں' اس کے در و دیوار میں' اس کے گلی کوچوں میں' اس کی طرف سفر میں

انھوں نے تمھارے جذبہ عشق و محبت کے لیے تسکین و سیرابی ' شادکامی اور لذت و کیف کا وہ سارا سامان رکھ دیا جو ایک عاشق صادق اپنے محبوب کے کوچہ و دیار اور در و دیوار سے پانے کی تمنا کر سکتا ہے۔

یہ بھی اللہ کی رحمت و محبت کا کرشمہ ہے کہ انھوں نے عشق و محبت کے اس مرکز میں ' جو بظاہر حسن تعمیر اور جمال ماحول سے بالکل مبرا ہے ' بڑی عجیب و غریب محبوبیت رکھ دی ہے! اس گھر کو انھوں نے اعلیٰ ترین شرف و کرامت سے نوازا ہے۔ اسے انھوں نے اپنی بے پناہ عظمت و جلال کا مظہر بنایا ہے۔ اس کے سینے سے انھوں نے رحمت و محبت ' برکت و ہدایت اور انعام و اکرام کے لازوال چشمے جاری کیے ہیں۔ آیات بینات کا ایک اتھاہ خزانہ ہے جو اللہ نے اس گھر کی سادا گر محبت کے رنگ سے رنگین داستان کے ورق ورق پر رقم کر دیا ہے۔ اللہ کے گھر کے حسن و جمال اور شان محبوبیت کا بیان اسی طرح الفاظ کے بس سے باہر ہے ' جس طرح کسی حسین کے حسن کا اور کسی شے لذیذ کی لذت کا بیان ' جو تم دیکھنے اور چکھنے ہی سے پا سکتے ہو۔

دوسری طرف انھوں نے اپنے چاہنے والوں کے دلوں میں اس گھر کی محبت ڈال دی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جو جا نہیں سکتے ' وہ بھی جانے کی آرزو اور شوق میں سلگتے رہتے ہیں ' اور کچھ نہیں تو روزانہ پانچ دفعہ ' اس گھر کی طرف رخ کر کے ' گھر کے مالک سے قرب اور ہم کلامی کے لیے کوشاں ہوتے ہیں۔ لیکن ایک طرف دیار محبوب کی شان محبوبیت اور دوسری طرف محبت کرنے والوں کی محبت ' ازل سے عشاق بے تاب کا ایک ہجوم بے پناہ ہے جو ہر وقت اور ہر جگہ سے کھنچ کھنچ کر اس گھر کے گرد جمع ہوتا چلا آ رہا ہے۔ خاص طور پر حج کے وقت ' جس کو رب البیت نے جلوہ و زیارت کے لیے مخصوص و متعین کیا ہے۔ آج تم بھی اسی ہجوم کا ایک حصہ ہو ' اور میری تمنا ہے ---- اور تمھاری بھی یہی تمنا ہونا چاہیے ---- کہ محبت کی یہی چنگاری تمھارے دل میں سلگ رہی ہو ' اور وہی تمھیں کشاں کشاں دیار محبوب کی طرف لیے جا رہی ہو۔

اب ذرا حج کے اعمال و مناسک کو دیکھو جو تم بجا لاؤ گے۔ یہ تمام تر عشق و محبت کے اعمال ہیں۔ یہ بھی اللہ کی محبت ہے کہ انھوں نے محبت کی ان اداؤں کی تعلیم دی ' ان کو اپنے گھر کی زیارت کا حصہ بنایا ' اور ان پر محبت اور اجر کی بشارت دی۔ یہ سنت ابراہیمی کا ورثہ ہیں۔ دیکھو شاہ عبدالعزیز صاحب " ان اعمال کی حقیقت کی کتنی خوب صورت تصویر کھینچتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا۔ [اور یہی حکم تمھارے لیے ہے] ۔ سال میں ایک دفعہ اپنے کو اللہ کی محبت میں سرگشتہ و شیدا بناؤ ' اس کے دیوانے ہو جاؤ ' عشق بازوں کے طور طریقے اختیار کرو ' محبوب کے گھر کے لیے ---- ننگے پاؤں ' الجھے ہوئے بال ' پریشان حال ' گرد میں اٹے

ہوئے --- سرزمین حجاز میں پہنچو، اور وہاں پہنچ کر کبھی پہاڑ پر چڑھو، کبھی وادی میں دوڑو، کبھی محبوب کے گھر کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو جاؤ --- اس خانہ تجلیات کے چاروں طرف دیوانہ وار چکر لگاؤ، اور اس کے در و دیوار کو چومو اور چاٹو۔

محبت کرنے اور محبت پانے کے یہ سب طریقے اللہ کی رحمت ہی نے تمھیں سکھائے ہیں۔

یہ ہے وہ حج جس کے لیے تم روانہ ہو رہے ہو۔ جتنا عشق و محبت کا یہ سبق ازبر کرو گے، دل پر اسے نقش کرو گے، اسے یاد رکھو گے، اللہ کو تم سے جو محبت ہے اس کی حرارت اور طمانیت اپنے اندر جذب کرو گے، اللہ سے ٹوٹ کر اور پورے دل سے محبت کرو گے اور اس کا اظہار کرو گے، حج کے ہر عمل کو زیادہ سے زیادہ اس محبت کے رنگ میں رنگو گے، اس سے اللہ کی محبت کی طلب اور جستجو کرو گے، انھی کی محبت اور قرب کی آرزو اور شوق میں جلو گے، اتنا ہی تم حج کی آغوش سے اس طرح گناہوں سے پاک و صاف ہو کر لوٹو گے جیسے ماں کے پیٹ کی آغوش سے نکلتے ہو، اور تمھارے حق میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت پوری ہوگی۔

لبیک، محبت کا مکتب اولین

حج کا ہر ہر عمل، بیت اللہ کا پتھر پتھر اور چپہ چپہ محبت کا مکتب ہے، جس میں داخل ہو کر تم محبت کا یہ سبق ازبر کر سکتے ہو، محبت کا چشمہ ہے جس میں غوطہ لگا کر تم اللہ کی محبت کے رنگ میں رنگ سکتے ہو۔ اس محبت کا نمونہ چشم سر سے دیکھنا ہو تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنا، اور دیکھتے رہنا۔ حج کے مناسک ہوں، یا بیت اللہ میں آیات بینات کا اتھاہ خزانہ --- یہ سب سلسلہ رشد و ہدایت کے اس امام اول کے مقامات عالی ہیں، جو انھوں نے راہ خدا میں اپنی محبت و وفا، بندگی و اخلاص، تسلیم و رضا اور قربانی و رضا جوئی سے قائم کیے اور ورثہ میں چھوڑے۔ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ۔ ان مقامات سے، دیدہ و دل وا کر کے، اور جھولی پھیلا کے گزرو گے، تو ممکن نہیں کہ اپنے نصیب سے محروم رہ جاؤ۔

دیار محبوب کا رخ کرو گے، احرام باندھو گے، تو لباس دنیا ترک کرو گے، دو سفید چادروں میں ملبوس ہو جاؤ گے، اور دل کی گہرائیوں سے صدا بلند کرو گے۔

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ
اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ، وَالْمُلْکَ، لَا شَرِیْکَ لَکَ

لبیک کی یہ صدا، محبت کا مکتب اولین ہے۔ محبت جتنی زیادہ ہوگی، اتنی ہی محبوب کے لیے خود سپردگی زیادہ ہوگی، محبت جتنی خالص ہوگی، اتنی ہی خود سپردگی شرک سے پاک ہوگی۔ لبیک، لبیک کی صدا حج کا آغاز ہی نہیں، اس میں محبت کی ساری روح اور جوہر بھی کھنچ کر جمع ہو گیا ہے۔

دیکھو' احرام اور لبیک کیا کہہ رہے ہیں: اپنے کو' اور اپنا سب کچھ لاکر اللہ کے سامنے حاضر کر دو' ان کے سپرد کر دو۔ نہ ان سے کچھ بچا کر رکھو' نہ کسی کا بھی کوئی بھی حصہ لگاؤ۔ چہرہ کا رخ بھی ان کی طرف ہو' دل کا بھی' زندگی کا بھی۔ بس ایک ہی رخ ہو' اور اس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔ مرکز نظر' محبوب دل' مقصود سعی وجہد' قبلہ زندگی' اللہ اور صرف اللہ بن جائے۔

محبت اور ہدایت' حضرت ابراہیم کی طرح اللہ کا حنیف بندہ بن جانے کا نام ہے' جس میں شرک کی گندگی کا شائبہ تک بھی نہ ہو۔ دولتیں تمھیں محض کوئی لیبل چسپاں کرنے سے نہیں ملیں گی' وہ یہودی کا لیبل ہو' نصرانی کا' محمدی کا' یا حاجی کا۔ یہ صرف خانہ کعبہ کا چکر کاٹ آنے سے بھی نصیب نہیں ہوں گی' صرف اس کی طرف منہ کر لینے سے بھی نہیں' نہ احرام باندھ لینے سے یا لبیک لبیک پکارنے سے۔

لبیک کی تفسیر و تصویر دیکھنا ہو تو سیدنا ابراہیم کو دیکھو' ان کی طرح حنیف بننے کی آرزو اور جستجو میں لگ جاؤ۔ وہ سب کچھ چھوڑ کر اللہ کے بن گئے تھے' اسی کے ہو رہے تھے' اس کے سوا کسی کے نہ رہ گئے تھے۔ نہ ان کی زندگی کا رخ کسی اور کی طرف تھا' نہ ان کی محبت کسی اور کے لیے اللہ کی محبت سے بڑھ کر تھی۔ نہ ان کی زندگی اور موت کسی اور کی خاطر تھی۔ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ، وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔

دیکھو' انھوں نے ہر ڈوبنے والی چیز سے محبت کا تعلق ترک کر دیا' اور یاد رکھو کہ اللہ کے سوا ہر چیز ڈوبنے والی ہے۔ انھوں نے چاند' سورج اور ستاروں کی کشش کا طلسم توڑ دیا۔ زندگی میں کتنے چاند سورج ہوتے ہیں جن کی عظمت اور چمک دمک تمھیں اپنا اسیر بنا کر رکھتی ہے۔ انھوں نے سب کو چھوڑ کے صرف اللہ کی محبت اپنے دل میں بسالی' سب سے رخ موڑ کے صرف ان کی طرف رخ کر لیا' صرف انھی کو طلب و سعی کا مرکز بنا لیا' صرف انھی پر نگاہیں جمالیں اور اس وابستگی میں' اس رخ میں' کوئی دوسری وابستگی نہ تھی' کوئی دوسرا رخ نہ تھا' جو شریک ہو۔ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔

انھوں نے اپنا سب کچھ اپنے رب کے حوالے کر دیا تھا' کوئی چیز ان سے بچا کر نہ رکھی تھی۔ والہیت اور شیفتگی بھی' مراسم عبادت بھی' قربانیاں بھی۔ زندگی بھی رب کے لیے تھی' جان بھی ان پر نچھاور تھی۔ اس خود سپردگی میں بھی انھوں نے شمہ برابر حصہ اللہ کے سوا اور کسی کے لیے نہ لگایا تھا۔

اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ، لَا شَرِيْكَ لَهٗ ،

وہ اپنے محبوب کی ہر مرضی پوری کرنے کے لیے ہر وقت آمادہ اور مستعد رہتے تھے' اشارے کے منتظر رہتے تھے' دوڑ پڑتے تھے' جو کچھ بن پڑتا تھا' بجالاتے تھے' جو حاضر کرنا ضروری ہوتا تھا' حاضر کر دیتے تھے۔ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ، قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ اور دنیا کا جو لباس خود سپردگی اور رضاجوئی میں مانع ہوتا تھا' وہ اسے بے دریغ اتار پھینکتے تھے۔ آگ میں کود پڑے' باپ سے ترک تعلق

کیا، وطن چھوڑا، دشت و صحرا کی خاک چھانی، محبوب بیوی اور شیر خوار بچے کو یکہ و تنہا وادی غیرذی زرع میں اللہ کے گھر کے جوار میں لا بسایا، اپنے ہاتھوں سے اس گھر کی دیواریں کھڑی کیں، مشرق و مغرب کو اس کی زیارت کے لیے پکارا، اس کو طواف و اعتکاف اور رکوع و سجود کا مرکز بنایا، اشارا ملا تو اپنے اکلوتے اور محبوب نور نظر کی قربانی بھی پیش کر دی اور ان کے گلے پر چھری رکھ دی۔

جب لبیک لبیک کہو، تو یہ تصویر نگاہوں کے سامنے رکھو، اور اس میں جتنا حصہ بھی نصیب ہو جائے، اسے متاع بیش بہا سمجھو اور سفر حج کے سب سے بیش قیمت ہدیہ کے طور پر اپنے ساتھ واپس لاؤ۔ تم جتنا اللہ کو مضبوطی سے تھامو گے، ان کے ساتھ جڑ جاؤ گے، ان کے ساتھ چمٹ جاؤ گے، اس طرح تھام لو گے اور چمٹ جاؤ گے۔ جس طرح کہ ان کا حق ہے، اتنا ہی تم صراط مستقیم پا لو گے، یہ صراط مستقیم ہی اللہ کی طرف لے جاتی ہے۔ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اور اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

نغمہ حمد و شکر

لبیک کی صدا کے ساتھ حمد و شکر کا نغمہ جڑا ہوا ہے۔ حمد و شکر ہی سے محبت اور خود سپردگی کے چشمے پھوٹتے ہیں، ان کی آبیاری بھی ہوتی ہے، جتنا تم محبت کی راہ پر آگے بڑھتے ہو، حمد و شکر بڑھتا جاتا ہے۔

حج کس طرح اور کس قدر محبت الٰہی سے معمور ہے، یہ تم اب جان چکے ہو۔ حج ہی کا یہ معاملہ نہیں، ساری زندگی کا یہی معاملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی ہمارے دل میں اپنی محبت ڈالتے ہیں، خود ہی محبت کرنے کے طریقے اور آداب سکھاتے ہیں، محبت و قربت کے راستے کھولتے ہیں، ان راستوں کو آسان بناتے ہیں، ہمیں ان آسان راستوں پر چلنے کے لیے اہل، موافق اور مستعد بناتے ہیں، اسباب و وسائل فراہم کرتے ہیں، چلنا چاہیں اور چلنا شروع کریں تو انگلی پکڑ کر چلاتے ہیں، راستے کھولتے چلے جاتے ہیں، گر پڑتے ہیں، تو اٹھا کے جھاڑ پونچھ کے پھر رواں کر دیتے ہیں۔ پھر سب کچھ خود کر کے، بدلے میں اپنی محبت اور قرب سے نوازتے ہیں۔

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى اور وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا اور كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا کے جاں فزا مژدے سناتے ہیں۔ جب کہتے ہیں تو مُقرَّب کہتے ہیں مُقرِّب نہیں، یعنی جو "قریب کیے گئے"۔ گویا سب کچھ ان کی رحمت و محبت کا کرشمہ ہے، وہی کھینچ کر اپنے سے قریب کر لیتے ہیں، وہ دست گیری نہ کریں تو کچھ نہ بن پڑے اور کچھ نہ ملے۔ سارا اختیار ہی ان کا ہے، اور کسی کا نہیں۔ ہر چیز اور ہر معاملہ ان کی ملوکیت کے تحت ہے، اور کسی کی نہیں۔

یہی معاملہ محبت کے اس سفر کا ہے جس کا نام حج ہے۔ اسی لیے حمد اور شکر اور اعتراف نعمت

صرف ان کے لیے ہے، یہ نغمہ بار بار بلند ہوتا ہے۔ سفر شروع کرنے سے پہلے بھی یہی یاد کرو، گھر سے نکلو تو یہی یاد رکھو، ہر قدم پر یہی یاد رکھو: میں محتاج و بے کس، میری کیا بساط اور قوت، 'لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰہ'، یہ صرف ان کا کرم ہے، ان کی توفیق ہے، حج کرنے کا ارادہ ہوا، ارادہ کی تکمیل کے لیے سامان فراہم ہوا، جو کچھ روحانی زادِ سفر ہاتھ میں ہے وہ انھوں نے ہی بخشا ہے، کسی چیز میں میرا کوئی دخل نہیں۔

دل کو حمد و شکر اور محبت سے بھرنا ہو، تو اسے اپنے علم و قوت کے لیے، یا کسی بھی مخلوق کے لیے حول اور قوت کے ہر شائبے سے بالکل خالی کر لو، اور صرف الحمدللہ سے بھر لو۔ الحمدللہ تو ساری میزان بھر سکتا ہے، زمین و آسمان کو بھر سکتا ہے۔ جتنا الحمدللہ سے دل کو بھرو گے، وہ ماسوا اللہ کے لیے کسی بھی قوت و اختیار کے خیال سے خالی ہو جائے گا۔ اس کو یاد رکھو، اور کہتے رہو: حج کے لیے بھی، ہر نیک عمل کے لیے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ۔

تعریف خدا ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں یہ راستہ دکھایا، ہم خود راہ نہ پا سکتے تھے اگر خدا ہماری رہنمائی نہ کرتا (اعراف ۷: ۴۳)۔

راہ میں جب لبیک کہو، اور
اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ، وَالْمُلْکَ، لَاشَرِیْکَ لَکَ

کی صدا نکلے تو، دوسری تمام نعمتوں کے ساتھ، خاص طور پر اس حج کی توفیق اور اس کے مناسک کی تکمیل پر اعتراف حمد و نعمت سے دل کو سرشار رکھو۔ ہر قدم پر، ہر اترنے اور چڑھنے پر، خانہ کعبہ کے دیدار پر، طواف پر، ہر سعی پر منیٰ اور عرفات کی حاضری پر، ہر جگہ پر، ہر چیز پر۔ حمد کرو، حمد کرو، یہاں تک اللہ راضی ہو جائیں، وَلَکَ الْحَمْدُ حَتّٰی تَرْضٰی۔

منزل محبت

مقصود دل تو اللہ کے سوا اور کچھ نہ ہونا چاہیے، لیکن جو مقصود ہیں انھوں نے ہی کعبہ کو مکرم و محبوب بنایا ہے، اور اس کو اپنی محبت کا وسیلہ۔ اس لیے جب گھر بار ترک کر کے، سارے تعلقات منقطع کر کے، طویل مسافت طے کر کے، اس گھر تک پہنچ جاؤ تو یہاں رحمت و محبت اور برکت و ہدایت کا جو چشمہ بہہ رہا ہے، اس سے سیراب ہونے اور اس میں غوطہ لگانے میں کوتاہی نہ کرنا۔ اس محبوب گھر پر اپنے دل کا لنگر ڈال دینا، اس کو نگاہوں میں بسا لینا، اس کے چاروں طرف دیوانہ وار چکر لگانا، اس کے در سے چھٹ کر مانگنا، جس طرح بچہ ماں کی آغوش سے چمٹتا ہے۔

یہ گھر تمھارے لیے مرکز زندگی ہے۔ اس گھر میں دیدہ و دل واکرنے کے لیے 'راہ زندگی روشن کرنے کے لیے اور منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے بیش بہا دولت ہے۔

وادی مکہ میں خدا کے اس پہلے گھر میں وہ زم زم ہی رواں نہیں جو چار ہزار سال سے پیاسوں کی پیاس بجھا رہا ہے اور بجھاتا چلا جائے گا' بلکہ اسی سے ہدایت و برکت کا وہ زم زم بھی جاری ہے جس نے رہتی دنیا تک کے لیے سارے جہانوں کی معنوی تشنگی دور کرنے اور ان کے قلوب و ارواح اور فکر وعمل کی سیرابی کا سامان کیا ہے 'مُبَارَکًا وَّھُدًی لِّلْعَالَمِیْنَ'۔

تم اس گھر پہنچ گئے ہو جس کو حضرت ابراہیم نے 'اور اس شہر کو' ایسا امن کا مسکن بنایا کہ جو اس میں داخل ہوتا ہے اس کے جان و مال محفوظ و مامون ہو جاتے ہیں۔ مگر یہی گھر اس ہدایت کا مرکز بھی ہے جس میں انسان پورے کے پورے داخل ہو جائیں تو ان کے قلب و روح 'فکر و سوچ' اخلاق و کردار 'شخصی زندگی اور حیات اجتماعی سب محفوظ و مامون ہو جاتے ہیں۔ انسان اگر کہیں خوف و حزن' ظلم و فساد' اور دنیا و آخرت کے بگاڑ اور تباہی سے امن حاصل کر سکتا ہے تو اس بناے ہدایت میں داخل ہو کر جو عالم معنوی میں خانہ کعبہ کی مثال ہے' وَمَنْ دَخَلَهٗ کَانَ آمِنًا۔

تمھاری نظروں کے سامنے جو گھر ہے' وہ گھر والے کی تجلیات گاہ ہے' انھوں نے اسے زمین کا مرکز بنایا ہے 'کنویں کے گھاٹ کی طرح لوگ پلٹ پلٹ کر اس کی طرف آتے ہیں اور کسی طرح سیراب ہونے میں نہیں آتے' لوگوں کے قیام و بقا کا سامان بھی اسی گھر کے دم سے ہے۔ جَعَلَ اللّٰهُ الْکَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیَامًا لِّلنَّاسِ (المائدہ ۵: ۹۷) مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا (البقرہ ۲: ۱۲۵)۔

اس گھر کے گرد جتنے طواف کرو' کم ہیں۔ بلکہ میں تو یہی کہوں گا کہ جتنا وقت بھی تمھیں اس کے جوار میں گزارنے کے لیے ملے' اور جتنی محبت و استطاعت اللہ تمھیں دے' سب طواف کرنے میں لگا دینا۔ نماز' رکوع' سجدہ' تلاوت' سب عبادات ہر جگہ ہو سکتی ہیں' اگرچہ مسجد الحرام میں ان عبادات کا ثواب لاکھوں گنا زیادہ ہے' لیکن طواف کی نعمت تو اور کہیں بھی میسر نہیں آ سکتی۔ طواف میں جو والہیت ہے' وارفتگی ہے' عشق و محبت ہے' وہ اور کسی عبادت میں نہیں۔ طواف کی ہمت نہ ہو' تو اس محبوب اور حسن و جمال میں یکتا گھر کو جی بھر کے دیکھنا' اس کے گرد نثار ہوتے ہوئے پروانوں کو دیکھنا۔ دل کے لیے کیف و لذت کا یہ سرمایہ بھی اور کہیں میسر نہ آئے گا۔

اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہیں کہ وہ کسی مکان میں مکین ہوں' ان کا کوئی ہاتھ ہو۔ لیکن حجر اسود زمین پر ان کے دست یمین کا نمایندہ ہے۔ اس تک پہنچنے کے لیے دھکم پیل کے گناہ کبیرہ میں نہ پڑنا' دور ہی سے اشارے سے چومنا بھی کافی ہے۔ اصل چیز تو وفاے عہد' تصدیق کتاب اور اتباع نبیؐ کے عزم اور کیفیت کو زندہ کرنا اور تجدید عہد کرنا ہے۔

سعی اور تفویض و توکل

طواف ' اللہ کے گھر کے ذریعہ خود اللہ کو تمھارے دل اور سعی و جہد کا مرکز بناتا ہے۔ سارے دین میں دو ہی باتیں اللہ کو تم سے مطلوب ہیں۔ اگر تم نے حج کے سفر میں ان دو نعمتوں کو پالیا تو بہت کچھ پالیا۔

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی تمھارا مقصود ہوں ' مرکزِ قلب و زندگی ہوں ' زندگی کا ہر کام ان ہی کے لیے ' ان ہی کی خوشنودی کے لیے ' ان ہی کی مرضی کے مطابق کرو۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ (البقرہ ۲: ۲۰۷) کے زمرے میں شامل ہو جاؤ۔

دوسری یہ کہ اس کا ایک ہی راستہ ہے: بھاگ دوڑ ' مسابقت ' سعی و جہد ' فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ (اللہ کی طرف بھاگو) ' سَارِعُوْٓا (دوڑو) ' سَابِقُوْٓا (اور سبقت حاصل کرو) ان کی جنت اور مغفرت کی طرف۔ حج پورے کا پورا حرکت اور سعی کا سبق سکھاتا ہے۔ گھر سے نکلنا ' سفر کرنا ' بیت اللہ کے گرد چکر لگانا ' صفا اور مروہ کے درمیان بھاگ دوڑ کرنا ' مکہ سے نکل کر منیٰ میں ڈیرے ڈالنا ' اگلے ہی دن وہاں سے کوچ کر دینا ' عرفات کے میدان میں جمع ہو جانا ' سورج غروب ہوتے ہی وہاں سے بھی چل دینا ' پھر رات کو مزدلفہ میں پڑاؤ ڈالنا ' سورج نکلتے ہی منیٰ کی طرف روانہ ہو جانا ' روز جا کر کنکریاں مارنا ' مکہ جا کر طواف زیارت کرنا۔

بندگی رب کا خلاصہ بھی یہی ہے: اخلاص کے ساتھ ارادہ ' اپنی تمام محبت و استطاعت کے ساتھ سعی و جہد۔ اللہ کے ہر حکم اور پکار پر لبیک کہنا ' سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کھڑے ہو جانا ' جو کچھ بھی میسر ہو اور جس حالت میں بھی ہوں ' تعمیل حکم کے لیے نکل پڑنا ' اپنی طرف سے کوشش اور جدوجہد میں کوئی کسر نہ چھوڑنا ' وسائل زیادہ سے زیادہ جمع کرنا اور تدبیر بہتر سے بہتر اختیار کرنا ' مگر بھروسہ اور نظر سبب پر نہیں رب پر رکھنا ' اور جو کچھ کرنا صرف رب کے لیے کرنا۔

حج کے سارے اعمال و مناسک سے انھی صفات کو راسخ کرنے کا کام لینا۔

اس گھر کی آیات میں تفویض و توکل کا ' ایک روشن پیغام اس سعی کے اندر بھی ہے جو صفا اور مروہ کے درمیان کی جاتی ہے۔ یہ یادگار ہے اس بھاگ دوڑ کی جو ' حضرت اسماعیل کو پیاس سے جاں بلب دیکھ کر ' حضرت ہاجرہ نے صفا اور مروہ کے درمیان کی۔ کبھی صفا پر چڑھتیں ' کبھی بھاگ کر جاتیں اور مروہ پر چڑھتیں۔ سعی کا پیغام یہ بھی ہے کہ اللہ کو ہم سے ارادہ کے ساتھ ساتھ سعی بھی مطلوب ہے ' عمل اور کوشش بھی مطلوب ہے ' اور اسی پر وہ نتائج مرتب فرماتا ہے۔ لیکن دراصل سعی کا پیغام اب یہ ہے کہ جب بندہ اپنی بندگی کو اللہ کے لیے خالص کرے ' اور حتی المقدور کوشش میں اپنے کو لگا دے ' تو اس کا رب اک پتھریلی وادی میں بھی ' ایک شیرخوار بچے کی ایڑیوں تلے بھی ' کبھی ختم نہ ہونے

والا چشمہ جاری کر دیتا ہے۔

اس سے زیادہ موثر اور طاقت ور درس امید کیا ہو سکتا ہے!

بیت اللہ کی آیات بینات میں سے یہ بھی ہے کہ ہمہ اقتدار و ہمہ اختیار حی و قیوم خدا' جو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کے بلا شرکت غیرے مالک کل ہیں 'اور جس کی کرسی اقتدار سب کو سمیٹے ہوئے ہے' وہ جب چاہیں موت کو زندگی سے اور زندگی کو موت سے' اندھیروں کو روشنی سے اور روشنی کو اندھیروں سے' عزت کو ذلت سے' اور ذلت کو عزت سے' بدل دیتے ہیں۔ جو اس کے ساتھ ایمان اور بندگی کا رشتہ قائم کر لے' وہ اسے ہر اندیشہ اور خوف سے' ہر حزن و غم سے' ہر حسرت و یاس سے پاک کر دیتے ہیں

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق' حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں بسانے کے لیے آئے تو وہاں نہ انسان کا نام و نشان تھا' نہ پانی کا' نہ زراعت کا' نہ خورد و نوش کا کوئی انتظام۔ ایک تھیلی (جراب) کھجوروں کی' اور ایک مشکیزہ پانی کا' بس یہ کل کائنات تھی جو وہ ان کے پاس چھوڑ کر چلے۔ حضرت ہاجرہ نے بار بار پوچھا کہ ہمیں ایسی وادی میں چھوڑ کر آپ کہاں چلے' جہاں نہ آدم نہ آدم زاد' نہ کوئی اور چیز۔ کوئی جواب نہ پایا تو سوال کیا' کیا اس کا حکم اللہ نے دیا ہے؟ فرمایا' ہاں۔ یہ سن کر ان کے اندر اطمینان و سکون کا باغ لہلہا اٹھا اور وہ امن کی اس جنت میں داخل ہو گئیں۔ یہ جنت کیا تھی؟ فرمایا' اذا لایضیعنا (پھر تو وہ ہم کو ضائع نہ کرے گا)۔ بخاری کی ایک دوسری روایت کے مطابق' حضرت ہاجرہ کے پوچھنے پر کہ ہمیں کس پر چھوڑ کر جا رہے ہو' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا' اللہ پر۔ یہ سن کر وہ پورے سکون و اطمینان سے بولیں رضیت باللہ (میں اللہ پر راضی ہوں)۔

اللہ پر یقین اور اعتماد' اللہ پر بھروسہ اور توکل' اللہ کے ہر فیصلہ پر خوش' بندگی رب کی یہ کیفیت تھی کہ ایک یکہ و تنہا عورت اپنے شیر خوار بچے کے ساتھ' پتھریلے بیابان میں' بھیانک اور ڈراؤنی راتیں' تپتے ہوئے دن' موذی جانور' چور اور ڈاکو' سب کے باوجود' اطمینان اور امن کی کیفیت سے مالا مال تھی۔ معاش کا بندوبست بھی کھجوروں کی ایک تھیلی اور پانی کے ایک مشکیزہ سے زائد کچھ نہ تھا۔ پھر بیت اللہ کی تاریخ گواہ ہے کہ جہاں کوئی وسائل نہ تھے' کوئی اسباب نہ تھے' کوئی سہارا نہ تھا' صرف خطرات ہی خطرات تھے' وہاں خدائے حی و قیوم چار ہزار سال سے سب کچھ بخش رہا ہے۔ جہاں کوئی انسان نہ تھا' وہاں لاکھوں انسان دنیا بھر سے چلے آ رہے ہیں۔ جہاں نہ پانی تھا نہ کھانا' وہاں ہر قسم کا خورد و نوش کا سامان پہنچ جاتا ہے۔

پیغمبر کی زبان سے' جس کا علم غیر مشتبہ ہے' یہ علم ہو جانے کے بعد' کہ یہ خدا کا حکم ہے' کچھ

مادی وسائل نہ ہونے کے باوجود' دنیا بھر میں یکہ و تنہا ہونے کے باوجود' ہر قسم کے سنگین اور مہیب خطرات اور اندیشوں کے سامنے ہوتے ہوئے' اطاعت و فرمانبرداری کی راہ چل پڑنا ہی حکمت و دانائی کا راستہ ہے۔ یہی حکمت و دانائی راسخ ہونا چاہیے' ہر اس شخص میں جو چشم سر سے بیت اللہ کو دیکھے' اور پانچ وقت اس کی طرف رخ کرے۔ ہم اغیار کے علم و حکمت سے جھولیاں بھرنے کے بعد' جو اپنی اس سب سے بیش بہا متاع حکمت کو کھو بیٹھے ہیں' اسے تم ضرور بازیافت کر کے وہاں سے لانا۔

دربار الٰہی میں ہجوم

حج کے سفر سے تمھارے دل و دماغ پر یہ حقیقت بھی نقش ہو جانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے اشتقین کا جمع ہونا اور ہجوم کی صورت اختیار کرنا بھی بہت محبوب ہے۔ تم ایک عجیب منظر دیکھو گے۔ دنیا بھر سے لوگ امنڈ امنڈ کر آ رہے ہیں' قافلوں کی صورت میں آ رہے ہیں' اور مکہ میں' مسجد الحرام میں ایک ہجوم کی صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ تل دھرنے کو جگہ نہیں' چلنے پھرنے کی گنجایش نہیں' سجدہ کرنے کا مقام نہیں' لیکن عشاق ہیں کہ ہر چیز سے بے نیاز' ایک ہی دھن میں' محبت کے نشے میں سرشار چلے آ رہے ہیں اور مجتمع ہو رہے ہیں' ہجوم کر رہے ہیں۔ ان میں ہر قسم کے لوگ ہیں: نیک بھی اور بد بھی' متقی بھی اور فاسق و فاجر بھی۔ سب کو داخلے کا اذن عام ہے' سب کو ضیوف الرحمان ہونے کا شرف و اعزاز بخشا گیا ہے' سب پر فضل و رحمت کی بارش ہے۔

محبت اور حرکت کے بعد' حج کا سب سے نمایاں پہلو یہی اجتماعیت ہے۔ دیکھو' حج کا رکن اکبر عرفات کے میدان میں حاضری ہے۔ اور کوئی رکن فوت ہو جائے تو تلافی کی کوئی نہ کوئی صورت موجود ہے لیکن وقوف عرفات فوت ہو جائے' اس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں۔ اب تو اگلے سال' حج کے ایام میں' عرفہ کے دن حاضر ہو گے تو حج مکمل ہو گا۔

عرفات کے میدان میں کیا ہوتا ہے؟ نماز کی طرح کوئی ہیئت اور وضع ضروری نہیں' کچھ پڑھنا ضروری نہیں' رکوع و سجود کی مانند کوئی ارکان بجالانا ضروری نہیں۔ روزہ کی مانند اپنے نفس کو کسی چیز سے روکنا ضروری نہیں' سوائے احرام کی عام پابندیوں کے۔ زکوٰۃ کی مانند کوئی متعین رقم اللہ کی راہ میں نکالنا ضروری نہیں۔ ضروری صرف یہ ہے کہ ہجوم عشاق میں شامل ہو کر رب کے دربار میں حاضر ہو جاؤ۔ مدت کی بھی پابندی نہیں' اگر گزر بھی جاؤ تو وقوف عرفات کا رکن ادا ہو جائے گا۔

تم نے غور کیا کہ اللہ کو کیا محبوب ہے۔ اس کے نام پر نکلنا' اس کے نام پر مجتمع ہونا' اس کو چاہنے کا دعویٰ کرنے والوں میں شامل رہنا' متحد امت کو نیک و بد کے نام پر متفرق نہ کرنا' اللہ کے لیے جو جمع ہوئے ہیں صرف اللہ کے نام کا لحاظ رکھنا اور ان کا ساتھ دینا۔ آج کی متفرق و منتشر امت کے لیے حج کا یہ درس ایک حیات آفریں پیغام ہے۔

تاریخ کے دھارے میں

حج کے اعمال تمھارے بکھرے ہوئے دل، بکھری ہوئی شخصیت اور بکھری ہوئی زندگی کے لیے ایک ایسا مرکز محبت فراہم کر دیں گے، جس کے گرد جمع ہو کر تم یک جان ہو جاؤ۔ یہ کتنا بیش قیمت، طاقت ور اور منفرد کام ہے، اس کا اندازہ بھی مشکل ہے۔ لیکن اس سے آگے بڑھ کر یہ تمھیں اپنے مرکز زندگی کے گرد صرف مجتمع و متحرک نہیں کرتا، بلکہ تاریخ کو ایک زندہ اور متحرک دھارا بنا کر تمھیں اس کا جز بنا دیتا ہے۔ تم کو ایک دم ایسا لگے گا کہ تاریخ کے طویل سفر میں تم ایک بے حقیقت اکائی نہیں ہو جو کسی نقطہ پر یکہ و تنہا کھڑی ہے۔ بلکہ تم ایک عظیم اور روشن قافلہ کا حصہ بن گئے ہو، جس کا اول بھی تمھارے ساتھ ہے اور آخر بھی۔ تم صرف اس ہجوم سے قوت نہیں حاصل کر رہے ہو، جو "آج" عرفات کے میدان میں جمع ہے، خانہ کعبہ کے گرد رواں دواں ہے۔ بلکہ تم اس راہ کے ہر راہ رو کو اپنے ساتھ پاؤ گے، اور تاریخ کے اس عظیم الشان، نور سے بھرپور دھارے کا حصہ بن کر، قوت و طاقت کا ایک لازوال و لامتناہی ذخیرہ تمھارے ساتھ ہو گا۔

جب تم خانہ کعبہ کو اپنے سامنے پاؤ تو سوچو:

یہ "البیت العتیق" ہے، قدیم ترین گھر ہے، اس وقت سے موجود ہے جب پہلے انسان نے اپنے معبود واحد کی پرستش کے لیے کرہ ارضی کا پہلا ٹکڑا وقف کیا۔ روایات کے مطابق اس کی تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے فرمائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تجدید تعمیر کی۔ پتھر، یقیناً بدل گئے ہیں، بنیادیں وہی ہیں۔ حجر اسود بھی اسی وقت سے موجود ہے۔ تم دیکھو خانہ کعبہ نے تمھیں تاریخ انسانی کے نقطہ آغاز کا حصہ بنا دیا۔

ابراہیم علیہ السلام کے بلاوے کے بعد سے لوگ چلے آ رہے ہیں، یہ تو تم جانتے ہو۔ روایات کے مطابق تمام انبیا نے خانہ کعبہ کا حج کیا۔ یہ گھر جس کے گرد تم چکر کاٹ رہے ہو، سب کا مرکز محبت رہا ہے۔ یہ مطاف، جس میں تم چل رہے ہو، اور ہزاروں لاکھوں قدموں کا سیل رواں بہہ رہا ہے، اس مطاف میں ازل سے تمھارا یہ قافلہ چلتا رہا ہے۔ چشم تصور سے دیکھو تو آدم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک، اور ان کے بعد کتنے صالحین ہیں، جو مطاف کے اس سفر میں تمھارے پیش رو ہیں، گویا تمھارے آگے آگے اور دوش بدوش چل رہے ہیں۔ حجر اسود کو چومو، تو کیا تمھیں کوئی شک ہے کہ جہاں تمھارے لب ہیں وہیں تمام انبیا، سید الانبیا اور ان کے صحابہؓ اور امت کے تمام صلحا کے لب اس پتھر کو چوم چکے ہیں۔ ملتزم پر اپنا سینہ لگاؤ، تو پھر یاد رکھو یہ سینہ وہیں لگ رہا ہے جہاں ان سب کا سینہ لگا۔ صفا کی پہاڑی پر چڑھو تو تم کو اس پہاڑی سے مروہ تک دوڑتی حضرت ہاجرہ نظر آئیں گی سیدنا محمدؐ پہاڑی پر سے اپنی دعوت کی پہلی ندائے عام دیتے دکھائی دیں گے۔ عرفات کے میدان میں

کھڑے ہو گے تو پھر تمھیں ازل سے آج تک یہ عظیم قافلہ کھڑا نظر آئے گا۔

پھر تم دیکھو گے کہ اللہ کا یہ گھر' اور یہ البلد الامین ' ان تمام تابناک و بے مثال روایات کا حامل بھی ہے ' جو بعثت محمدیؐ ' نزول قرآن ' دعوت اسلامی اور ہجرت و جہاد کے ابواب میں محفوظ ہیں ۔ اس گھر کا کوئی پتھر ایسا نہیں ' اس کے قرب میں کوئی چٹان اور سنگریزہ ایسا نہیں ' جس کے دل میں ہدایت و دعوت کا اور ہجرت و جہاد کی اس تاب ناک داستان کا کوئی نہ کوئی نقش محفوظ نہ ہو ' اور جو یا و پیاسا اسے پا نہ سکتا ہو ۔ یہ عظیم دولت دنیا میں تمھیں اور کہیں دست یاب نہیں ہو سکتی ۔

سوچنے کی بات

سوچنے کی بات یہ ہے ---- آج بھی ' حج کے دوران بھی ' حج کے بعد بھی ---- کہ ان لازوال خزانوں سے ہم کتنا حصہ پائیں گے ' کتنا محفوظ رکھیں گے ' کتنا اپنے اور امت مسلمہ کے مستقبل کے لیے سرمایہ کاری میں لگائیں گے ۔

آج ہماری کیا حالت ہے ؟ مشرق سے لے کر مغرب تک نظر ڈال لیجیے ۔ کیا امت مسلمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی رنگ موجود ہے ؟ کوئی ایسا رنگ جو غیر مسلموں اور مشرکوں کے رنگ سے الگ ہو ۔ اپنے دلوں کو دیکھیے ' انھی کی طرح بے شمار ٹکڑوں میں منقسم ہیں ' اور ہر ٹکڑے میں ایک الگ معبود بیٹھا ہوا ہے ۔ اغراض و مقاصد پر نظر ڈالیے ' انھی کی طرح وہ بھی ان گنت ہیں ' اور ان میں سب سے کم مقام ان کا ہے جو اللہ کے نزدیک محبوب ترین ہیں ۔ نمازمیں بے شک ہمارا منہ قبلہ کے علاوہ کسی اور طرف نہیں ہوتا ' لیکن زندگی میں تو انھی کی طرح ہمارے بہت سے قبلے ہیں جو ہماری توجہات اور وابستگیوں کا مرکز ہیں ۔ زبان پر بیشک لبیک ہے ' لیکن ہم نہ خود اپنے کو ' نہ اپنی کسی محبوب چیز کو ' اللہ کے لیے حاضر کرنے کو تیار ہیں ۔ ہر حکم کی تعمیل میں ہماری اپنی کسی نہ کسی خواہش ' پسند و ناپسند ' محبوب و مبغوض کی قربانی دامن گیر ہو جاتی ہے ' یا ہزاروں اندیشے اور خوف ہمیں چاروں طرف سے گھیر کر ہماری راہ مسدود کر دیتے ہیں ۔ حج ہو یا استقبال قبلہ ' یہ بے جان مراسم عبادت نہ ہمارے قلوب کو بیدار کرتے ہیں ' نہ نگاہوں میں پاکیزگی و یکسوئی پیدا کرتے ہیں ' نہ عمل میں صالحیت ۔ یہ نہ ہماری سوچ بدلتے ہیں ' نہ شخصیت نہ زندگی ۔

ہم حج بھی کریں ' عمروں کے لیے بھی جائیں ' منہ کعبہ شریف کی طرف کر کے نمازیں بھی پڑھیں ' مگر ہم پر وہ رنگ نہ چڑھے جو حضرت ابراہیم کا رنگ تھا ' تو اس سے بڑھ کر ہماری حرماں نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے ۔ اور جو حرماں نصیبی ہمارا اور امت کا مقدر بن گئی ہے اس کا سبب اس رنگ سے محرومی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے ۔ ہم سے دنیا میں جو وعدے ہیں ---- استخلاف فی الارض کا وعدہ ہے ' غلبہ دین کا وعدہ ہے ' خوف سے نجات اور امن سے ہم کنار کرنے کا وعدہ ہے ---- کیا وہ

سب وعدے اس شرط کے ساتھ مشروط نہیں کہ ہم اللہ کے ایسے بندے بن جائیں کہ بندگی اور کسی کے لیے نہ ہو۔

سوچو' امت مسلمہ کی کشتی آج جس بھنور میں پھنسی ہوئی ہے' کیا وہ اس بھنور سے اپنے ہمہ اقتدار و اختیار رب پر ابراہیم علیہ السلام و ہاجرہ علیہ السلام کی طرح کلی بھروسہ کے بغیر' اس کی فرمانبرداری کی راہ میں ان کی طرح اپنا سب کچھ حاضر کیے بغیر' اور اس راہ میں جان و مال سے سعی وجہد کے بغیر' نکلنے کی کوئی راہ پا سکتی ہے؟ کیا جس کی نظر کے سامنے ہر روز پانچ مرتبہ بیت اللہ کی آیات بینات کو سامنے لانے کا اہتمام کیا گیا ہو' اس کی نفسیات میں ان مایوسیوں کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے کہ ایسی خراب قوم کیسے سدھرے گی' ایسے تاریک حالات کیسے بدلیں گے' ایسے بنجر اور سنگلاخ معاشروں میں نیکی کے چشمے کیسے پھوٹیں گے' ایسے گھٹاٹوپ اندھیروں میں روشنی کی کرن کیسے اور کہاں سے طلوع ہو گی' جبر و استبداد کی چٹانوں میں سے راستہ کیسے نکلے گا' حقیر کوششیں کیسے رنگ لائیں گی' زبردست طاقتوں کا مقابلہ کیسے ہو گا؟ اگر ایک عورت کا یہ یقین کہ اذا لا یضیعنا (پھر اللہ ہم کو ضائع نہ کرے گا) اور یہ اعلان کہ رضیت باللہ (میں اللہ سے راضی ہوں)' اور اس کی صفا اور مروہ کے درمیان سعی و جہد کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ پتھروں کے ایک معمولی گھر کو یہ مقام عطا کر سکتا ہے' اور سنگلاخ زمین سے زم زم کا چشمہ رواں کر سکتا ہے' تو آج کی دنیا میں دین کو غلبہ کیوں حاصل نہیں ہو سکتا' اور ظلم و فساد سے بھری ہوئی دنیا میں نیکی کا چشمہ کیوں نہیں پھوٹ سکتا؟

دینے والا عاجز و درماندہ نہیں' نہ وہ اونگھ اور نیند کا شکار ہوتا ہے' لینے والے ہی عاجز و درماندہ ہو گئے ہیں' اپنے مقاصد سے اور اپنی قوت و سربلندی کے اصل خزانوں سے غافل ہو کر نیند میں مدہوش ہیں۔ سعی و عمل اور اخلاص و وفا کی جو دنیا ان سے مطلوب ہے اس کو انھوں نے اپنے ارادہ و اختیار سے باہر سمجھ رکھا ہے۔ انسانیت ہدایت کے لیے جاں بلب ہے' فساد کے بیابان میں زیر زمین امن کا چشمہ موجود ہے' مگر یہ دور اپنے ابراہیم کا منتظر ہے۔

کیا تم یہ ابراہیم بننے کی کوشش کرنے کے لیے تیار ہو!

اللہ تمھیں حج کی نعمتوں اور برکتوں سے سرفراز و کامران کرے - آمین!

اس مضمون کا کتابچہ ۔/ ۲۵۰ روپے فی سیکڑہ ارسال کر کے منشورات ترجمان ری پرنٹس سروس منصورہ لاہور سے طلب کیا جا سکتا ہے۔ فیکس :- 7832194 (042)

سگریٹ نوشی سے پرہیز کیجیے!

اپنے لیے نہ سہی دوسروں کی خاطر سہی!!

چند لمحات کے لطف کی خاطر

آپ کئی جان لیوا امراض کے لیے تر نوالہ بن جاتے هیں.

آپ کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے ، رهنے والے بهی خطرات کی زد میں آ جاتے هیں.

پھر آپ کو اصرار کیوں ہے؟

صحت کا ہی نہیں، مال کا بھی نقصان ہے

اس رقم سے گھر والوں کے لیے پھل لائیے۔ اور ان کی دعائیں لیجیے

سگریٹ اور کرکٹ کو هم نواله و هم پیاله کرکے

کھیل هی کھیل میں اس زهر کے خلاف آپ کا دفاع ختم کیا جا رها هے

[بس هوشیار! خبردار!]

آپ کی حکومت، ذرائع ابلاغ اور سیگریٹ کمپنیاں

چند ٹکوں کی خاطر آپ کی صحت اور زندگی کو داؤ پر لگارهی هیں

تو پھر کیوں نہ آج آخری سگریٹ پئیں،۔

- اور اللہ سے استقامت کی دعا کریں!

(بات تو جب ہے کہ آخری بھی منہ تک لے جانے کے بجائے پاؤں سے مسل دیں)

(عطیہ اشتہار)

اجتماعی اجتہاد ــــ ضرورت و طریقۂ کار

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی

اجتہاد میں تفریط و افراط

مسلمانوں کے پاس قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ اجتہاد وہ لازوال آلہ ہے جو انھیں رہتی دنیا تک کے لیے قائم و دائم اور ہر طرح کے پیش آمدہ مسائل کے حل کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔ چوتھی صدی ہجری کے بعد بعض علما کی طرف سے اجتہاد کے دروازہ کو بند کرنے کا مشورہ ایک اجتہادی فیصلہ تھا جس کی منفعت و مضرت دونوں پر کلام کیا جا سکتا ہے لیکن اتنا بہرحال واضح ہے کہ اس فتوے کے پیچھے اصل محرک اس عہد کے حالات و کوائف تھے۔ اس فتوے نے جہاں ایک طرف بے قید فکر اور انحرافی اجتہاد پر بڑی حد تک روک لگا دی، وہیں تدبر و تفکر کے تحریکی عمل کو بھی متاثر کیا۔ دراصل اسلام کی تحریکیت و ابدیت کے لیے اجتہاد ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی نہ کسی شکل میں اجتہاد کا عمل ہر عہد میں جاری رہا ہے، خواہ وہ اجتہاد پر پابندی سے پہلے کا زمانہ ہو یا اس کے بعد کا دور۔ مگر ادھر سو سال کے اندر جو بے تحاشا سیاسی، عسکری، معاشی، تمدنی، معاشرتی اور علمی ترقیاں رونما ہوئی ہیں، ان کی مثال اس سے قبل کے ایک ہزار سال میں ملنی مشکل ہے۔ اور اس عہد نو نے ہمارے سامنے بے شمار نئے نئے مسائل کا انبوہ گراں لا کھڑا کیا ہے جو شریعت کی روشنی میں اپنا حل چاہتے ہیں۔ بدلے ہوئے حالات اور عرف و عادات نے ماضی کے بہت سے اجتہادی احکام و فتاوے کو اس وقت بے موقع و بے محل قرار دے دیا ہے جن پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اجتہاد پر لگی پابندیوں اور بندشوں کو ختم کرنے کی جس شدت سے آواز اس عہد میں اٹھ رہی ہے پچھلے ہزار بارہ سو سال میں شاید ہی اٹھی ہو۔

اجتہاد سے متعلق ہمارے اندر کئی قسم کی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ ایک طرف جماعت علما کے ایک گروہ کی طرف سے اکثر بڑے جمود کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ کتاب و سنت کا پڑھنا پڑھانا جن کا شب و روز کا مشغلہ ہے، نو پید امسائل کو حل کرنے کے لیے ان کا منتہائے کمال یہ ہوتا ہے کہ اس مسئلہ سے ملتا جلتا کوئی فقہی جزئیہ یا کچھ فقہی تصریحات، اپنے مسلک کے قدیم علما کی کتابوں میں تلاش کر لی جائیں

اور وہی حکم یہاں بھی صادر کر دیا جائے۔ دوسری طرف متجددین کا گروہ ہے۔ اسلام کے بنیادی ماخذ سے تعلق جن کا علم، تراجم اور ثانوی ذرائع تک محدود اور واجبی سا ہوتا ہے۔ یہ لوگ نئے مسائل کو بجائے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حل کرنے کے، اسلامی تعلیمات کو ہی بدل دینے کو زیادہ آسان سمجھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ اسلام کے بنیادی ارکان اور واضح و مستحکم تعلیمات کی من مانی تاویل و توجیہ سے بھی گریز نہیں کرتے۔

حق ان دو انتہا پسند رویوں کے درمیان اس مسلک وسط کے اندر پایا جاتا ہے جس کی رہنمائی کتاب و سنت سے ملتی ہے اور جس کا نمونہ قرون اولیٰ کے علما نے پیش کیا۔ اس وقت نوپید امسائل کو حل کرنے میں نہ تو وہ تنگی تھی جو آج ہم دیکھتے ہیں اور نہ وہ فکری کج روی اور غیر محدود آزادی تھی جو ہمارے روایتی علما کے طرز عمل کے ردعمل کے طور پر یا مغرب سے مرعوبیت کے نتیجہ میں پائی جاتی ہے۔

اجتہاد کے اسباب و مواقع

اسلام میں اجتہاد ایک مطلوب و محبوب امر ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ موقع و بے موقع اور ضرورت و بے ضرورت اس کا استعمال ہوتا رہے۔ جن علما نے اجتہاد پر بندش لگائی ان کی نیت یہی رہی ہے کہ اس کے بے موقع و بے ضرورت استعمال کے امکان کا خاتمہ ہی کر دیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے اجتہاد کے لیے کچھ ایسی شرطیں اور ان شرطوں کی ایسی تعبیر و تشریح کی کہ بعد کے زمانہ میں نہ کوئی ان کو پورا کر سکے اور نہ اجتہاد کی ہمت کرے۔ اس لیے یہاں اجتہاد کے موقع و محل اور اس کے لیے مطلوب شرائط کا مختصر جائزہ لینا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ اجتہاد اس دور میں کہاں اور کیوں ضروری ہے اور اس کی شرطوں کو پورا کرنا کتنا ممکن ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلی چیز جو یاد رکھنے کی ہے وہ یہ کہ عقائد و ایمانیات کے عناصر دائرۂ اجتہاد سے خارج ہیں۔ وہ اس معنی میں اجتہاد کا محل نہیں ہو سکتے کہ ان میں کوئی حذف و اضافہ یا ترمیم و تنسیخ ہو۔ وہاں آفاق و انفس کی نشانیوں پر انتہائی غور و فکر جس سے ان عقائد و ایمانیات کے سلسلہ میں مزید ایقان و اطمینان حاصل ہو، نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔

اس کے بعد ارکان اسلام اور حدود و معاملات کا نمبر ہے۔ ان میں بھی اجتہاد کے ذریعہ حذف و اضافہ یا ترمیم یا تنسیخ نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ واضح اور قطعی الدلالہ نصوص سے ثابت ہیں۔ البتہ ان کی تفصیلات، جن کے بارے میں مختلف احادیث و اقوال مروی ہیں، یا جن کو عرف و عادات اور حالات و کوائف زمانہ کو سامنے رکھ کر علما نے طے کیا ہے۔ ان کے راجح و مرجوح یا ان کے رد و بدل کے سلسلہ میں اجتہاد ہو سکتا ہے، بشرطیکہ اس کے قوی اسباب موجود ہوں اور اس پر غور کرنے والے کے اندر

اجتہاد کی اہلیت موجود ہو۔

وہ تمام نئے مسائل و معاملات اجتہاد کا موقع و محل ہیں جو تبدیلی زمان و مکاں یا تغیر عرف و عادت کے نتیجے میں پیش آئیں' جن میں کوئی حکم پہلے سے موجود نہ ہو' یا جو اجتماعی حکم یا فتویٰ ہو وہ پوری طرح منطبق نہ ہوتا ہو' اس لیے نئے حکم کی ضرورت ہو۔

اس طرح اجتہاد کے درج ذیل مختلف حالات و اسباب اور مواقع ہو سکتے ہیں۔

۱) دلالت نص کے سمجھنے اور اس سے استنباط حکم میں تسامح ہوا ہو۔ یوسف القرضاوی نے اپنی کتاب شریعۃ الاسلام میں اس کی مثالیں دی ہیں۔ مثلاً آیت جزیہ جس سے بعض فقہا نے یہ حکم نکالا ہے کہ جزیہ وصول کرتے وقت ہرذمی کی اہانت واجب ہے۔

۲) مصلحت حکم بدل گئی ہو۔ جیسے غلبہ اسلام کے وقت مولفتہ القلوب کو مصرف زکوٰۃ سے خارج کر دینا یا کتابیہ سے نکاح کو روک دینا' یا ذمیوں کے لیے خاص لباس ضروری قرار دینا۔ اس طرح کے احکام جو مختلف مصالح کے تحت آئے ہوں' مصلحت باقی نہ رہنے یا دوسری طرح کی مصلحت غالب آنے کی صورت میں محل اجتہاد ہوں گے۔

۳) عرف و عادت میں تبدیلی ہو گئی ہو۔ فتاویٰ و اجتہادی احکام میں عرف و عادت کی رعایت اسلامی فقہ و قانون کا ایک اہم اصول ہے۔ ایک مختلف زمانہ اور بدلے ہوئے حالات میں جب کہ عرف و عادات میں تبدیلی آگئی ہو' ان فتاویٰ و اجتہادی احکام کو باقی رکھنے پر اصرار اسلامی اصولوں کے خلاف ہے۔ اس موضوع پر علامہ ابن عابدین نے بڑی اچھی بحث کی ہے (مجموعہ مسائل ابن عابدین)

۴) فساد زمانہ بھی نئے حکم کا متقاضی ہو سکتا ہے مثلاً عورتوں کو مسجدوں میں نماز پڑھنے سے روک دینا۔

۵) زمان و مکان میں غیر معمولی تبدیلی جس سے منصوص احکام پر عمل نا ممکن ہو۔ مثلاً قطبین یا چاند پر پہنچ جانا' جہاں ہماری طرح کے دن رات نہ ہوں۔ یا ایسی تیز رفتار سواری سے جانب مغرب سفر کرنا کہ سورج غروب ہوتا نظر نہ آئے۔

۶) یعنی عسکری' تمدنی' معاشی و سیاسی اعتبار سے ایسی ترقی جس سے معاملات کی نئی نئی شکلیں پیدا ہو گئی ہوں جن میں قدیم اعتبارات ناکافی ہوں' اور نئے حکم کی ضرورت ہو' جیسا کہ خاص طور سے اس عہد میں محسوس کیا جا رہا ہے۔

مثال کے طور پر سائنسی ترقی سے اعضا کی پیوند کاری' خون کی منتقلی' جنین کی جانچ' پوسٹ مارٹم کے ذریعہ موت کا سبب معلوم کرنا' انگلیوں کے نشان کے ذریعہ مجرموں کا پتہ لگانا' افق میں چاند کو ڈھونڈ نکالنا' حساب و کتاب کے ذریعہ اس کے طلوع و غروب اور کسوف و خسوف کا بالکل صحیح وقت

جان لینا' علم اعداد و شمار کے ذریعہ کاروبار میں نفع و نقصان کا پیشگی اندازہ کر لینا جس سے اس کی کامیابی یا ناکامی کا غلبہ ظن ہو جائے' اب روز مرہ کی بات ہے۔

مختلف ممالک میں رہنے والے مسلمان آج جس سیاسی صورت حال سے دوچار ہیں' وہ پچھلے زمانہ میں کہیں نہیں پائی گئی' مثلاً جمہوریت جہاں اقتدار میں مسلم و غیر مسلم دونوں شریک ہوتے ہیں' مسلمانوں کی امامت کبریٰ اور خلافت کا فقدان' اسلام اور مسلمانوں کا خود مسلم ممالک میں کسمپرسی اور چیرہ دستی کا شکار ہونا' ملحدین و نصاریٰ کا بالواسطہ یا بلاواسطہ عالمگیر تصرف و اقتدار' ایسے مظاہر ہیں جو ہمارے بہت سے اجتہادی فیصلوں پر نظر ثانی کے متقاضی ہیں۔

معاشی میدان میں بنکاری اور تجارت کی گوناگوں شکلیں پیدا ہوگئی ہیں۔ سونے چاندی کا چلن بحیثیت زر کب کا ختم ہو چکا ہے۔ اور کاغذی نوٹوں کی جگہ بھی چیک اور کریڈٹ کارڈ لیتے جارہے ہیں اور بعید نہیں کہ مستقبل میں روپیہ نام کی چیز متداول کے بجائے' صرف حساب کی ایک اکائی (unit of account) کے لیے استعمال ہو۔ حکومت یا مرکزی بنک کی طرف سے جاری کی ہوئی کسی بھی مقدار زر کو تجارتی بنک قرض اور چیک کے استعمال سے کئی گنا کر دیتے ہیں۔ افراط وتفریط زر الگ مسائل پیدا کرتے ہیں۔ کمپنیوں کے حصص کی تجارت' ان کی قیمتوں میں حقیقی یا غیر حقیقی کمی بیشی' ان میں ربا و قمار کی آمیزش' مختلف قسم کے روا و ناروا ٹیکس اور ان سے بچنے کی قانونی و غیر قانونی شکلیں' خرید و فروخت کے نئے نئے طریقے' اجارہ داریاں' یونین سازی' پنشن' پروویڈنٹ فنڈ' بیمہ وغیرہ کے نت نئے اصول' بیت المال کی غیر موجودگی' کفالتہ المسلمین کا فقدان' زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کا خاتمہ' ہر ایک کے تعلق سے کچھ نہ کچھ نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں جنھیں بغیر اجتہادی عمل کے حل نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح عسکری میدان میں ایک طرف ایسے خطرناک ہتھیار ایجاد ہوگئے ہیں جو بلاامتیاز خورد و کلاں' پیر و زن' قصوروار یا بے قصور کو ہلاک کر دیتے ہیں' اور ہر چیز کو نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ دوسری طرف اغوا کرنا' یرغمال بنانا' ہڑتالیں کرنا' عدم تعاون جیسے حربے دباؤ ڈالنے' مطالبات منوانے' یا حکومت کو بدلنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کا ان وسائل کو اپنانا کیسا ہے' یا مسلمانوں کے خلاف جب یہ اپنائے جائیں تو کن حالات میں کیا حکم ہو۔ یہ اور اس طرح کے بہت سارے مسائل اسلام کی روشنی میں حل کے متلاشی کے لیے چیلنج بن کر سامنے آتے ہیں۔ اجتہادی فکر کے بغیر ان کا جواب مشکل ہے۔

دور حاضر اور اجتہاد کی شرائط

اجتہاد کے ذریعہ صحیح فیصلہ کرنے پر دو اجر اور غلط فیصلہ ہو جانے پر بھی ایک اجر کا وعدہ کیا گیا

ہے۔اس سے اس بات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عمل اجتہاد اسلام میں کس قدر مرغوب و مطلوب ہے۔اگر یہ کوئی خطرناک چیز ہوتی تو اجتہاد کے ذریعہ غلط فیصلہ ہو جانے پر سزا نہیں تو "لا اجر ولا وزر" ہی کہہ دیا جاتا۔لیکن اس کے برخلاف مذکورہ بالا حدیث میں اس کی تشجیع کی گئی۔اجتہاد کے عمل میں خطا سے حفاظت اور غیر اہل پر پابندی کے مقصد سے علما سلف نے اجتہاد کے لیے جو شرطیں مقرر کر دیں، اور ان کی تشریح جس مبالغہ کے ساتھ کی، اس کی وجہ سے اکثر ان حضرات نے بھی فکر و اجتہاد کے دروازہ کو اپنے اوپر بند کر لیا جو اس کے اہل ہو سکتے تھے۔اس لیے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ آج کے حالات میں ان شرائط کا جائزہ لے لیا جائے۔

تقویٰ : اجتہاد کے لیے سب سے بنیادی شرط تقویٰ و خدا ترسی کو قرار دیا گیا ہے۔تقویٰ کا تعلق اصلاً دل سے ہے۔ التقوٰی ھھنا اس لیے وہ تقویٰ و خدا ترسی جس پر احکام مرتب ہوتے ہیں، اس کے ناپنے کا بظاہر اس کے علاوہ کوئی پیمانہ نہیں ہے کہ آدمی ارکان اسلام کا پابند ہو، کبائر سے مجتنب رہے اور صغائر پر اصرار نہ ہو۔

شریعت کی روح مقاصد کا علم : یہ چیز احکام شریعت پر غور و خوض سے حاصل ہوتی ہے۔سلف کے مباحث کی وجہ سے اب ان کو جاننا آسان ہو گیا ہے۔کچھ ائمہ نے مقاصد شریعت کو پانچ خانوں میں تقسیم کیا ہے۔یعنی دین کی حفاظت، عقل کی حفاظت، جان و مال کی حفاظت، عزت و آبرو کی حفاظت اور آنے والی نسل کی مصلحت۔علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک شریعت کے مقاصد صرف ان ہی پانچ چیزوں میں محصور نہیں ہیں۔

قرآن و سنت کا علم : اسلامی احکام کے بنیادی ماخذ قرآن و سنت ہیں۔اس لیے ان سے بے بہرہ ہو کر کسی اجتہاد کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ مفسرین کرام و محدثین عظام نے ان علوم کو ہم تک پہنچانے کی زبردست خدمت انجام دی ہے۔انھوں نے نہ صرف یہ کہ قرونِ اولیٰ سے اپنے عہد تک کی آرا و افکار کو قلم بند کر دیا ہے بلکہ ان کے سمجھنے کے لیے اصول تفسیر و حدیث بھی وضع کر دیے ہیں جنھیں ہم آسانی کے ساتھ کم مدت میں سیکھ سکتے ہیں اور برت سکتے ہیں۔ مراجعت کی سہولت کے لیے مختلف موضوعات کے تحت آیات و احادیث کی تفصیل و تبویب بھی کر دی گئی ہے، جس سے کسی موضوع سے متعلق قرآن و سنت کی نصوص کو تلاش کرنا آسان ہو گیا ہے۔

فقہ اور اصول فقہ کا علم : قرآن و سنت کے بعد فقہ و اصول فقہ کا علم نئے مسائل کی گرہ کشائی کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔یہ علم بھی پورے طور پر مرتب و مدون ہو کر ہمارے درمیان موجود ہے۔ ہر مسلک کے فقہی احکام مع دلائل کے اور تقابلی فقہ اور ان کے دلائل نے یہ ممکن بنا دیا ہے کہ ایک عالم مسلکی تعصب سے اونچا اٹھ کر دلیل و برہان کی قوت کی روشنی میں صحیح و مضبوط رائے کا

تعیین کر سکے۔

ناسخ و منسوخ کا علم: مجتہد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ دو مختلف و متضاد حکم کی حامل نصوص کے بارے میں اسے معلوم ہو کہ کون منسوخ و قدیم نص ہے اور کون ناسخ و موخر۔ قدما نے اس موضوع پر کافی کام کیا ہے اور اس موضوع پر ایسے رسالے مرتب کر دیے ہیں کہ ناسخ و منسوخ کا پتہ لگانا دشوار نہیں رہ گیا ہے۔

اجماع کا علم: اجماع بجائے خود احکام شریعت کا ایک اجتہادی ماخذ ہے۔ جس کی تفصیلات میں کافی نزاع ہے۔ بہرحال اجماعی احکام و مسائل پر مراجع دستیاب ہیں اور جن کا حصول مشکل نہیں ہے۔

نوعیت مسئلہ سے پوری واقفیت: قرآن و حدیث کا علم، اجماع و نسخ پر نظر، صحابہ و تابعین کے آثار و اقوال پر نظر اور فقہا کے اصول و اجتہادات سے واقفیت کے ساتھ ساتھ نو پیدا مسئلہ جس شعبہ زندگی سے تعلق رکھتا ہو اس کے تمام پہلوؤں سے آگاہی بھی ضروری ہے۔ اس دور میں اس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے، کیونکہ سائنسی، تمدنی اور معاشی ترقی نے ایسی پیچیدہ شکلیں پیدا کر دی ہیں جنھیں اہل اختصاص ہی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اس شرط کو پورا کرنے کے لیے کسی ماہر مسئلہ سے صورت مسئلہ اور اس کے مالہ و ماعلیہ کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے۔

اجتہادی نظر و بصیرت کی ضرورت: ان سب کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ اجتہاد کرنے والے کو ذوق اجتہاد یا مجتہدانہ فکر و نظر اور دل و دماغ بھی حاصل ہو جو مسائل کی تہہ تک پہنچ سکے، دلائل میں امتیاز کر سکے اور ان سے مسائل کے استنباط پر قادر ہو۔ گرچہ یہ ملکہ ہے جو کسی خاص زمانہ سے مخصوص نہیں ہے، لیکن دور جدید میں بحث و تحقیق کے جو اصول و مناہج تیار کیے گئے ہیں ان سے اس صلاحیت کو پروان چڑھانے میں مدد مل سکتی ہے۔

عربی زبان میں مہارت: ذکر میں موخر مگر اہمیت میں مقدم عربی زبان میں مہارت کی شرط ہے، کیونکہ عربی زبان ہی میں شریعت کے مصادر موجود ہیں۔ عربی دانی کے بغیر کسی بھی شخص کی اجتہادی رائے مستند اور قابل التفات نہیں ہو سکتی، کیونکہ اجتہاد کے لیے مطلوبہ علوم کا ترجمہ بہت کم ہوا ہے۔ پھر ترجمہ میں وہ بات نہیں آ سکتی جو اصل عبارت میں ہے۔ آج اس بنیادی آلہ کے حصول کے لیے بڑے منظم و ترقی یافتہ ادارے پائے جاتے ہیں۔ اور ان کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے جدید تکنیک کا استعمال بڑھتا جا رہا ہے۔

آج قرآن و حدیث کے معاجم (اشاریے) فقہی موسوعات (انسائیکلوپیڈیا) عربی زبان و ادب

کے مستند قوامیس (ڈکشنریاں) اور فقہ و اصول فقہ کے مجموعے آسانی سے دستیاب ہیں۔ طباعت و نشر اور رسل و رسائل کی ترقی سے کم وقت میں ' سفر کی زحمتیں اٹھائے بغیر ان سے استفادہ ' مختلف ملکوں میں ہونے والے اجتہادات سے باخبری اور ان کے علما سے تبادلہ خیالات میں وہ آسانیاں ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے دور جدید میں مسائل کے انبوہ گراں کے ساتھ ساتھ ان کے حل کے لیے عطا کی ہیں۔ آج کسی مسئلہ پر جو معلومات سال چھ ماہ کے اندر فراہم کی جا سکتی ہیں ' ہزار پانچ سو سال قبل اتنی معلومات کے لیے ایک عمر درکار ہوتی۔ احکام و نصوص کی تلاش و استحضار کے لیے ابھی کمپیوٹر کا استعمال تو ہوا ہی نہیں ' مگر جب ہو گا تو وہ ایک منٹ سے کم وقفہ میں ان تمام آیات و احادیث ' آثار و اقوال کو آپ کے سامنے لا سکتا ہے ' جو کسی مسئلہ سے متعلق ہوں۔

ان حقائق کو دیکھتے ہوئے اور ان کا قدیم زمانہ سے تقابل کرنے سے کہ آج اجتہاد اس سے کہیں آسان ہے جتنا قدیم زمانہ میں تھا ' اور آج ایک عالم ان شرطوں کو اچھی طرح پوری کر سکتا ہے جو اجتہاد کے لیے علما نے اپنے استقرا و اجتہاد سے طے کی ہیں۔

نو پیدا مسائل کے حل کرنے کا صحیح طریقہ

سیاسی حالات اور عرف و عادات کی تبدیلیوں اور معاشی و عسکری اور تمدنی و سائنسی ترقیات کے نتیجہ میں جو نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں ' اور ان کے حل کے لیے چھوٹتے ہی قدیم علما کے یہاں فقہی تصریحات و جزئیات تلاش کر کے ان کی روشنی میں کوئی حل تلاش کرنے کے بجائے صحیح طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے ان کا حل کتاب اللہ و سنت رسولؐ میں تلاش کیا جائے۔ اگر ان میں حل مل جاتا ہے تو کافی ہے۔ اگر وہاں کوئی نص نہیں ملتی جس سے پیش آمدہ مسئلہ کو حل کیا جا سکے تو اشبا و نظائر اور مقاصد شریعت کو سامنے رکھ کر کوئی حل تجویز ہونا چاہیے۔ اس عمل میں ان اصولوں کو سامنے رکھنا چاہیے جو علما نے شرعی نصوص و احکام کے استقرا و استنباط سے متعین کیے ہیں۔ اس پورے عمل میں ہم اپنے فقہی ورثہ سے کسی طرح بھی بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ مزید اطمینان اور پرکھ کے لیے بھی فقہی ذخیرہ کا جائزہ لینا چاہیے کہ آیا اس طرح کی کوئی صورت حال پہلے پائی گئی تھی یا نہیں اور اگر پائی گئی تھی تو اس کا کیا حکم تجویز ہوا ' اور کیوں؟ کیا وہ حکم اب بھی منطبق ہو گا یا اس میں تبدیلی کی ضرورت ہے کیونکہ اجتہادی احکام میں عرف و عادات اور حالات زمانہ کی کافی رعایت ہوتی ہے۔

نوپیدا مسائل کے حل کے سلسلہ میں جس طریقہ کی طرف ہم نے نشاندہی کی ہے وہی طریقہ ہمارے اسلاف نے اپنایا اور اسی کی طرف رہنمائی ہمیں حدیث معاذ و اثر فاروق رضی اللہ عنہم سے ملتی ہے۔ چنانچہ جب حضرت معاذؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو دریافت فرمایا: "تم کیا کرو گے اگر تمہارے سامنے کوئی فیصلہ طلب معاملہ پیش آئے: آپؓ نے عرض کیا میں

اس کے مطابق فیصلہ کروں گا جو اللہ کی کتاب میں ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اگر اللہ کی کتاب میں کوئی چیز نہ ہو تو؟ آپؓ نے عرض کیا: ایسی صورت میں اللہ کے رسول کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا، اگر اللہ کے رسول کی سنت میں کوئی چیز نہ ملے تو؟ آپؓ نے عرض کیا میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں گا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ اللہ کے لیے سب تعریف ہے کہ اس نے رسول اللہ کے پیغامبر کو اس طریقہ کی توفیق بخشی جو اللہ کے رسول کو پسند ہے (احمد)۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو ہدایت نامہ بھیجا۔ جس میں لکھا کہ: ''جو مسائل ایسے پیش آئیں جن کا حکم کتاب اللہ اور سنت رسولؐ سے نہ معلوم ہو ان میں بڑی سمجھ سے کام لینا اور جو احکام پہلے سے ثابت شدہ ہیں ان پر ان نئے مسائل کو پرکھنا اور ان کے امثال و نظائر کو سامنے رکھنا، پھر جب کسی نتیجہ پر پہنچ جانا تو فیصلہ دیتے وقت یہ بات ذہن میں رکھنا کہ فیصلہ وہی کرنا جو حق کے قریب اور اللہ کو پسند ہو''۔ (البیہقی، سنن الکبریٰ، ۱/۱۵)۔

اجتماعی اجتہاد کی ضرورت

اجتہاد اصلاً اجتماعی اہمیت کا حامل ہونے کے باوجود ایک انفرادی عمل رہا ہے، لیکن تاریخ کے ہر دور میں کچھ مسائل ایسے بھی پیش آئے جہاں اجتماعی مشورہ اور غور و فکر ناگزیر ہو گیا۔ دور حاضر میں جہاں علوم کی ترتیب و تدوین اور نشر و اشاعت کی ترقی کی وجہ سے کسی بھی علم کا حاصل کرنا آسان ہو گیا ہے وہیں ایک علم کی بے شمار شاخیں اور اختصاصات پیدا ہو گئے ہیں۔ اس وجہ سے عام واقفیت اور واجبی آگاہی تو بہت سے علوم کی ممکن ہے، لیکن کم ہی لوگوں کے لیے ممکن ہے کہ وہ اختصاص کی حد تک ایک سے زائد علوم میں ملکہ و مہارت پیدا کر سکیں۔ اس لیے ایسے ماہرین اپنے اختصاص کے شعبہ میں مجتہد ہو سکتے ہیں، لیکن ان کے لیے ممکن نہیں کہ ہر شعبہ زندگی میں مجتہد ہوں۔ اجتہاد کی اس قسم کو تجزی اجتہاد کا نام دیا گیا ہے۔ جس کے جواز یا عدم جواز پر فقہا کے درمیان اختلاف ہے لیکن اکثر جواز کے حق میں ہیں۔

علما نے تجزی اجتہاد کو ان اندیشوں کے تحت رد کیا ہے کہ مختلف علوم شرعیہ اور جملہ مسائل فقہیہ ایک دوسرے سے مربوط ہیں، اس لیے کسی ایک چیز میں اختصاص اور بقیہ میں اجتہادی ملکہ نہ ہو تو وہ اجتہاد صحیح نہیں ہو گا، لیکن اس عہد کے حیرت انگیز اختراعات و انکشافات اور معاشی و سیاسی تغیرات نے معاملات کی ایسی گوناگوں پیچیدہ شکلیں پیدا کر دی ہیں جو ہر شخص کی سمجھ سے باہر ہیں۔ اس لیے اس طرح کے پیچیدہ اختصاصی مسائل میں اس مسئلہ کے ماہر کی رائے ہی معیاری اور اسی کا اجتہاد معتبر ہو گا بشرطیکہ وہ اجتہاد کے لیے ناگزیر اساسی علوم سے واقف بھی ہو، ایسا شخص ضروری نہیں کہ ان علوم میں ماہر اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی میں بھی اجتہاد کا مرتبہ رکھتا ہو۔ تجزی اجتہاد کے نقائص کو دور کرنے

اور اسے سب کے لیے قابل قبول بنانے کے لیے اس عہد میں مشترکہ غور و فکر کرنے اور اجتماعی اجتہاد کو فروغ دینے کی کوشش کرنی چاہیے' جس کا آغاز بہت سے ملکوں میں پہلے ہی ہو چکا ہے۔

چونکہ ہر عالم تمام علوم پر دسترس نہیں رکھ سکتا اس لیے اجتماعی اجتہاد کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے ایک دوسرے کی کمیوں کی تلافی ہو جاتی ہے۔ مختلف تخصصات کے علما سے تبادلہ خیالات کے ذریعہ صحیح رائے قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ ایسی مجالس سے ذہن میں وسعت اور تجزیاتی بصیرت پیدا ہوتی ہے اور غور و فکر کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں۔ بحث و مباحثہ سے دلائل کی قوت یا ضعف واضح ہو جاتا ہے۔ متعدد حل سامنے آجاتے ہیں جن میں سے اسلامی روح اور شرعی مقاصد و مصالح سے قریب ترین حل کے انتخاب میں سہولت ہوتی ہے۔

یہاں اس طرف اشارہ کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی اجتہاد اس دور کی کوئی نئی ایجاد نہیں ہے۔ اس کی طرف خود رسول اللہؐ نے رہنمائی فرمائی اور مختلف مواقع پر خلفائے راشدین نے اس طریقہ کو اپنایا۔ اکثر ائمہ مجتہدین کے یہاں بھی اس طرح کی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں۔ یہ طریقہ عہد حاضر کے لیے نہایت موزوں و مفید ہے۔

اجتماعی اجتہاد کے لیے طریقہ کار

ذیل میں اجتماعی اجتہاد کے لیے ایک طریقہ کار پیش ہے۔ اس کے بعض حصوں پر پہلے سے کچھ اجتماعی اجتہاد کے اداروں میں عمل ہو رہا ہے' لیکن اس کو اور بہتر بنانے اور اسے زیادہ سے زیادہ اپنانے کی ضرورت ہے۔

اجتماعی اجتہاد کو منظم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہر ملک میں ایک اعلیٰ مجلس ہو جو اجتہاد طلب نو پیدا مسائل کے حل کرنے کا بیڑا اٹھائے۔ اس کمیٹی کے پاس ایسے باصلاحیت علما کی فہرست ہو جو مسائل کو حل کرنے کے لیے تقلید جامد سے اونچا اٹھ کر قرآن و حدیث اور تمام ہی فقہی ذخیروں کی مدد سے اجتہادی عمل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اجتماعی اجتہاد کی یہ اعلیٰ کمیٹی اہمیت کے لحاظ سے ایک یا چند مسائل کو لے کر جس شعبہ زندگی سے ان مسائل کا تعلق ہو' ان کے ماہرین سے ان کے بارے میں تشفی بخش معلومات حاصل کر کے ان اہل اجتہاد علما کو یہ معلومات فراہم کرے اور ان سے ان کا حل طلب کرے۔ کمیٹی کا دفتری عملہ ان کے یہاں آئے ہوئے جوابات اور ان کے دلائل کی تلخیص تیار کر کے دوبارہ سب کو بھیجے تاکہ مزید غور و فکر ہو سکے۔ پھر سال یا چھ ماہ پر یا حسب ضرورت وقفہ وقفہ سے ایک چیدہ مخصص نمایندہ علما کا اجلاس منعقد کرے جس میں ان جدید ماہرین فن کو بھی مدعو کیا جائے جنھوں نے ابتداً مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر ضروری معلومات فراہم کی تھیں تاکہ مزید افہام و تفہیم یا کسی وضاحت کی ضرورت ہو تو وہ کی جا سکے۔ اس اجلاس کے شرکا' بحث و تمحیص اور تبادلہ آرا و ادلہ کے بعد' مسئلہ کا حل تجویز کریں۔ اس حل کو اس اعلیٰ اجتماعی مجلس اجتہاد کی طرف سے شائع کر کے افتا کے

مراکز ' تعلیم وتدریس کے معاہد اور مسلمانوں کے امور کے ذمہ داروں کو باخبر کر دیا جائے تاکہ اس کے مطابق عمل کیا جا سکے ۔ اخبارات ' مجلات اور کتابچوں کے ذریعہ عامتہ المسلمین کو براہ راست بھی ان فیصلوں سے باخبر کر دیا جائے ۔ کوشش ہو کہ فیصلے متفق علیہ ہوں لیکن اختلاف کی شکل میں اگر دلائل برابر ہوں تو تخییر یا ترجیح کا موقف بھی اپنایا جا سکتا ہے یا کثرت رائے سے فیصلہ ہو ۔ امت کا اجتماعی ضمیر ان شاء اللہ صحیح رائے ہی کو اپنائے گا ۔

دوسرے ملکوں میں ان ہی مسائل پر وہاں کے اجتماعی اجتہاد کے اداروں نے جو فیصلے کیے ہیں کوئی رائے قائم کرتے وقت انھیں سامنے رکھنا چاہیے ' گو یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی مسئلہ پر دو ملکوں کے علما کی ایک ہی رائے ہو ' کیونکہ ہر ملک کے اپنے عرف و عادات اور ظروف و حالات ہوتے ہیں جو ایک مختلف حل تجویز کرنے کا باعث بن سکتے ہیں ۔

اجتماعی اجتہاد کے اصول و آداب

اجتماعی اجتہاد کے شرکا کو کچھ خاص امور و آداب کا پاس و لحاظ رکھنا ضروری ہے تاکہ اس کو زیادہ سے زیادہ مفید و کار آمد بنایا جا سکے ۔ سب سے پہلی چیز یہ کہ عقائد دین ' ارکان اسلام ' منصوص و غیر منصوص اور اجتہادی و غیر اجتہادی مسائل میں فرق ملحوظ رہے ۔ عوام الناس اور کبھی کبھی خواندہ حضرات میں تنگ نظری اور غلط فہمی اس لیے پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کی نظروں سے مذکورہ بالا امور کے فرق مراتب اوجھل ہو جاتے ہیں ۔

دوسری اہم چیز نیتوں کی درستگی ہے ۔ اخلاص کے ساتھ مسئلہ کے حل کی کوشش ہو اور ہر طرح کے تعصب سے آزاد ہو کر حق کو قبول کرنے کے لیے پوری آمادگی اور دعا کرتے رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ صحیح حل کی طرف رہنمائی کرے اور اس پر شرح صدر عطا کرے ۔

یہ خیال رہے کہ دوسروں کی رائے بھی درست و صواب ہو سکتی ہے ۔ یہ احساس اس بات کا ضامن ہو گا کہ آدمی اپنے مخالف کی رائے کا بھی احترام کرے اور رواداری سے کام لے ۔ نفسانیت سے پناہ مانگے اور عدل و تقویٰ کی روش اپنائے ۔ مسائل کا حل ڈھونڈھنے میں مصالح اور مقاصد شریعت سامنے رہیں ۔ نرمی کے ساتھ گفتگو ہو اور جارحانہ الفاظ اور غیر مہذب طرز تخاطب سے اجتناب کرے ۔ صرف اپنی ہی نہ کہے جائے ' بلکہ دوسروں کی باتوں کو بھی بغور سنے ۔

ایک دلیل جو پہلے آ چکی ہو اس کو بلاوجہ بار بار دہرانے سے پرہیز کرے ۔ گفتگو کے لیے اپنی باری کا انتظار کرے اور طول کلامی سے بچتے ہوئے وقت کا صحیح استعمال کرے ۔ کسی لغزش کی نشان دہی یا تنبیہہ کو عیب جوئی یا تنقید نہ سمجھے بلکہ اسے ایک صحیح تعاون و خیر خواہی کے جذبے سے لے ۔ اس پر چیں بہ جبیں ہونے کے بجائے تبسم و تشکر کے ساتھ مان لے اور کسی بھی حال میں مقابلہ و مناظرہ کی صورت حال نہ پیدا ہونے دے ۔

انسانی حقوق کا چارٹر اور اسلامی تعلیمات

زاہد الراشدی

انسانی حقوق آج کی دنیا میں سب سے زیادہ زیر بحث آنے والا موضوع ہے۔ یہ مغرب کے ہاتھ میں ایک ایسا فکری ہتھیار ہے جس کے ذریعہ وہ مسلم ممالک اور تیسری دنیا پر مسلسل حملہ آور ہے۔ مغرب نے انسانی حقوق کے بارے میں اقوام متحدہ کے چارٹر کو مسلمہ معیار کا درجہ دے کر کسی بھی معاملہ میں اس سے الگ رویہ رکھنے والے عالم اسلام اور تیسری دنیا کے ممالک کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دینے کی مہم شروع کر رکھی ہے، جس میں اسے عالمی ذرائع ابلاغ کے ساتھ ساتھ عالم اسلام اور تیسری دنیا میں اپنی ہم نوا لابیوں کا بھرپور تعاون حاصل ہے۔ اس نظریاتی و فکری یلغار میں ملت اسلامیہ کے عقائد و احکام اور روایات و اقدار مغربی دانش وروں، لابیوں اور ذرائع ابلاغ کے حملوں کی زد میں ہیں۔ جب ہم اسلام کے عقائد و احکام پر مغربی دانش وروں کے حملوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہ یلغار عقائد، احکام اور معاشرت کے تمام شعبوں پر محیط نظر آتی ہے۔ اگر آپ گزشتہ ایک دہائی کے حالات کا تجزیہ کریں تو یہ واقعات نظر آتے ہیں۔

۱۔ مغربی ممالک اور ذرائع ابلاغ نے سلمان رشدی کو صرف اس ''کارنامے'' پر آزادی رائے کا ہیرو بنا کر پیش کیا کہ اس نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ مسلمانوں کے بے پایاں عشق و محبت پر ضرب لگانے کی کوشش کی اور ملت اسلامیہ کے اس اجماعی عقیدہ کا دائرہ توڑنا چاہا کہ جناب رسالت مآبؐ ہر قسم کے اختلاف اعتراض اور تنقید سے بالاتر اور غیر مشروط اطاعت کا مرکز ہیں۔ تسلیمہ نسرین صرف اسی ''جرات رندانہ'' پر مغرب کی آنکھوں کا تارا بن گئی کہ اس نے قرآن کریم کے ناقابل تغیر و تبدل ہونے کے عقیدہ پر یہ کہہ کر ضرب لگانے کی کوشش کی کہ آج کے حالات کی روشنی میں قرآن کریم میں ترامیم کی ضرورت ہے۔

۲۔ معاشرتی جرائم کی اسلامی سزاؤں: ہاتھ کاٹنے، سنگسار کرنے اور کوڑے مارنے کو انسانی حقوق کے منافی قرار دیا گیا ہے اور پاکستان میں برائے نام نافذ چند اسلامی تعزیراتی قوانین کو ختم کرنے کے لیے امریکہ کی طرف سے مسلسل دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔

۳۔ توہین رسالتؐ پر سزا کے قانون کو انسانی حقوق کے منافی قرار دیا گیا ہے اور اس قانون کے خاتمہ کے لیے دباؤ ڈالنے کے ساتھ ساتھ مغربی حکومتوں کی طرف سے توہین رسالتؐ کے مرتکب افراد کی حوصلہ افزائی اور پشت پناہی کا سلسلہ جاری ہے۔

۴۔ قادیانیت کو اسلام سے الگ مذہب قرار دینے اور قادیانوں کو اسلام کا نام اور مسلمانوں کے مذہبی شعائر کے استعمال سے روکنے کے قانونی و آئینی اقدامات کو بھی انسانی حقوق کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے اور قادیانیوں کو مظلوم قرار دے کر امریکہ کی طرف سے ان کے خلاف مذکورہ اقدامات واپس لینے پر زور دیا جارہا ہے۔

۵۔ اسلام کے معاشرتی اور خاندانی نظام کو معاشرت کے موجودہ عالمی نظام کے منافی قرار دیا جا رہا ہے اور خاندانی زندگی کے بارے میں بیشتر مسلم ممالک میں مروجہ قوانین کو عالمی معیار کے مطابق بدل دینے کی تلقین کی جارہی ہے، جس میں شادی کے لیے مذہب کی شرط کو ختم کرنے، آزادانہ جنسی تعلقات کے بھرپور مواقع کی فراہمی، ہم جنس پرستی کو قانونی طور پر تسلیم کرنے اور بن بیاہی ماؤں اور ناجائز بچوں کو سماجی تحفظ فراہم کرنے کے تقاضے بھی شامل ہیں۔

۶۔ اسلام کے عقائد و احکام کے ساتھ مسلمانوں کی غیر مشروط اور وفادارانہ وابستگی کو بنیاد پرستی قرار دیا جارہا ہے۔ اور ایسی دینی تحریکات پر ''دہشت گردی'' کا لیبل چسپاں کر کے انھیں عالمی ذرائع ابلاغ کے ذریعہ مسلسل کردار کشی کا نشانہ بنایا جارہا ہے جو متعدد بار مسلم ممالک میں اسلامی عقائد واحکام کے ساتھ وابستگی کی بنا پر ریاستی تشدد کا نشانہ بننے کی وجہ سے اپنے دفاع میں ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوئی ہیں یا غیر مسلم ممالک میں موجود مسلم اقلیتوں کی آزادی اور ان کے اسلامی تشخص کے تحفظ کی جدوجہد میں ان کا ساتھ دے رہی ہیں۔

یہ ہے ایک سرسری خاکہ مغرب کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں سامنے آنے والے اعتراضات اور تقاضوں کا جو گذشتہ ایک عشرہ کے دوران منظم اور مربوط نظریاتی جنگ کی شکل اختیار کر چکے ہیں اور جن کے سامنے مسلم ممالک کی بیشتر حکومتیں ''سپر انداز'' ہوتی چلی جارہی ہیں۔ چنانچہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی وزیراعظم نے یہ کہہ کر مسلم حکمرانوں کے اس رجحان کی نشاندہی کی ہے کہ وہ انٹرنیشنل ازم پر یقین رکھتی ہیں اس ''انٹرنیشنل ازم'' کا تصور مغرب کے نزدیک یہ ہے کہ اقوام متحدہ کے منشور کو پوری دنیا کا مشترکہ دستور تسلیم کر کے تمام ممالک اقوام متحدہ کی بالادستی کے سامنے جھک جائیں اور اقوام متحدہ کو کنفیڈریشن طرز کی مشترکہ حکومت قرار دے کر ساری دنیا ایک عالمی برادری کی شکل اختیار کر لے۔ گویا وہ مغرب جس نے گذشتہ ایک سو سال کے دوران نیشنلزم اور قومیت کے نام پر عالم اسلام کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر کے حصے بخرے کرنے میں کامیابی

حاصل کی ہے ' اب انھی ٹکڑوں کو "انٹرنیشنل ازم" کے نام پر وہ اپنی بالادستی میں ' مغربی تہذیب میں ضم کرنے کے لیے کوشاں ہیں ' اور اس سکیم کے تانے بانے پوری طرح بنے جا چکے ہیں۔

اس نظریاتی معرکہ میں بنیادی حیثیت اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر اور جنیوا انسانی حقوق کمیشن کے فیصلوں اور قراردادوں کو حاصل ہے۔ انسانی حقوق کا چارٹر متن ہے اور جنیوا کنونشن کے فیصلے اور قراردادیں اس کی شرح ہیں جو ' اس نظریاتی جنگ میں مغرب کے ہاتھ میں ایک مضبوط ہتھیار کا کام دے رہی ہیں۔ مغرب کا کہنا ہے کہ اقوام متحدہ کی رکنیت اختیار کرنے والے تمام ممالک نے انسانی حقوق کے اس چارٹر پر دستخط کر کے اسے تسلیم کر لیا ہے ' اس لیے وہ اس کے پابند ہیں ' اور جن ممالک میں اس چارٹر کے منافی قوانین نافذ ہیں وہ اس بین الاقوامی معاہدہ کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ تمام ممالک خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم ' اس عالمی معاہدہ کی پابندی کریں اور اپنے اپنے ملک میں رائج قوانین میں ترمیم کر کے انھیں اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر کے ساتھ ہم آہنگ کریں۔

ہمیں مغرب کے اس موقف اور اس کی پشت پناہی پر کارفرما عزائم کا سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لینا ہو گا۔ "ہم نہیں مانتے" کا خالی نعرہ دنیا بھر کے ان اربوں انسانوں اور عالم اسلام کے ان کروڑوں مسلمانوں کو ہمارے موقف کے بارے میں مطمئن نہیں کر سکے گا جو ورلڈ میڈیا کی براہ راست زد میں ہیں اور جن کی آنکھوں اور کانوں کو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں مغرب کے پراپیگنڈہ کا روزمرہ سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ مسلم علما دانش ور اور دینی ادارے اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر اور جنیوا انسانی حقوق کنونشن کی قراردادوں اور فیصلوں کا علمی بنیادوں پر جائزہ لیں اور مغرب کے اعتراضات و خدشات کا منطق و استدلال کے ساتھ سامنا کر کے انسانی حقوق کے حوالے سے ملت اسلامیہ کا موقف سامنے لائیں۔ ہمیں انسانی حقوق کے بارے میں معروضی حالات کی روشنی میں اپنے موقف کو واضح طور پر تعین کرنا ہو گا اور اسے علم اور منطق و استدلال کی بنیاد پر افہام و تفہیم کے جذبے کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرنا ہو گا۔ ورنہ ہم اس خوفناک نظریاتی جنگ میں اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہو سکیں گے۔ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر اور جنیوا کنونشن کی قراردادوں اور فیصلوں کا جائزہ ہمیں دو مرحلوں میں لینا ہو گا۔ پہلے مرحلہ میں ان دونوں کا گہری نظر سے مطالعہ کر کے ان دونوں کے ان حصوں کی نشاندہی کرنا ہو گا جو ہمارے خیال میں اسلام کے عقائد و احکام سے متصادم ہیں اور جن کو قبول کرنے کی صورت میں ہمیں اپنے دینی عقائد اور احکام اور معاشرتی اقدار سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ پھر دنیا بھر کو وسیع پیمانے پر ان سے آگاہ کرنا ہو گا اور عالمی سطح پر ان کی تشہیر کرنا ہو گی تاکہ پوری دنیا کے اہل دانش ہمارے موقف کو اچھی

طرح سمجھ سکیں۔ دوسرے مرحلے پر ہمیں علمی اور منطقی طور پر اسلام کے ان احکام و قوانین اور روایات و اقدار کی بہتری کو ثابت کرنا ہو گا جنھیں انسانی حقوق کے منافی قرار دیا جا رہا ہے اور جو اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر سے متصادم نظر آ رہے ہیں۔

بحث کے آغاز کے طور پر ہم اس چارٹر کے بعض حصوں کا ابتدائی اور سرسری طور پر جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ یہ چارٹر اقوام متحدہ نے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ کو جاری کیا تھا۔ انسانی حقوق کے اس چارٹر کی ۳۰ دفعات ہیں اور اس میں اجتماعی زندگی کے کم و بیش تمام شعبوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔

چارٹر کی ان دفعات پر گفتگو سے پہلے جو ہمارے خیال میں بعض اسلامی قوانین و احکام کو انسانی حقوق کے منافی قرار دینے کا باعث بن رہی ہیں' چارٹر کی اعتقادی اور فکری بنیاد کو سمجھنا ضروری ہے۔ یہ چارٹر دراصل مغربی فلسفہ حیات اور تہذیب کا نقطہ عروج ہے جس کے پیچھے یہ سوچ کار فرما ہے کہ مذہب کا تعلق عقیدہ' عبادت اور اخلاقیات سے ہے' جس میں ہر انسان آزاد ہے کہ وہ عقیدہ' عبادت اور اخلاقیات میں جو رجحان چاہے اختیار کرے' یہ اس کا ذاتی معاملہ سمجھا جائے جس سے ریاست یا کوئی اور اتھارٹی کسی قسم کا تعرض نہ کرے۔ انسانی زندگی کے اجتماعی معاملات مثلاً سیاست' قانون' ایڈمنسٹریشن' تجارت' زراعت اور معیشت کے ساتھ مذہب کا کوئی واسطہ نہیں ہے' اور ان امور میں قوم اپنے اجتماعی یا اکثریتی رجحانات کے مطابق کوئی بھی نظام اختیار کر سکتی ہے اور وہ نظام مذہب کی کسی بھی قید یا چھاپ سے آزاد ہو گا۔ اسے اصطلاحی طور پر سیکولرازم سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسی سیکولرازم کو قبول کرنے کا ہم سے تقاضا کیا جا رہا ہے۔ سیکولرازم کا تاریخی پس منظر تو یہ ہے کہ یورپ میں بادشاہ' کلیسا اور جاگیردار کے اتحاد ثلاثہ نے جب غریب عوام پر زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا اور بادشاہت اور جاگیرداروں کے خلاف بے بس عوام کی بغاوت میں کلیسا اور پادری نے عوام کا ساتھ دینے کی بجائے بادشاہ اور جاگیردار کا ساتھ دیا تو عوامی انقلاب نے بادشاہت اور جاگیرداری کے ساتھ کلیسا اور پادری کی بساط اقتدار بھی الٹ کر رکھ دی اور مذہب کو اجتماعی زندگی سے بے دخل کر کے اس کا دائرہ کار کلیسا کی چار دیواری کے اندر محدود کر دیا۔ لیکن اس تاریخی پس منظر کے پہلو بہ پہلو ایک اعتقادی اور فکری بنیاد بھی ہے جو سیکولرازم اور مغربی جمہوریت کو نظریاتی قوت فراہم کر رہی ہے۔

مغرب کے مادہ پرستانہ فلسفہ کی بنیاد نظریہ ارتقا پر ہے جس کے مطابق اس دنیا میں جو کسی پیدا کرنے والے اور چلانے والے خدا کے بغیر خود بخود وجود میں آ گئی ہے' انسانی نسل حیوانی ارتقا کا نتیجہ ہے جو کیچڑ سے جنم لینے والے کیڑے سے شروع ہو کر مختلف زمانوں میں شکلیں بدلتا ہوا انسان کی صورت اختیار کر گیا ہے اور یہ اس کی آخری اور حتمی شکل ہے۔ اسی طرح انسانی معاشرہ بھی ارتقائی

عمل کا نتیجہ ہے جو جنگلوں اور غاروں سے شروع ہوا اور مختلف شکلیں بدلتا ہوا اور معاشرت کے مختلف طریقے ' قوانین اور نظام آزماتا ہوا جمہوریت ' سیکولرازم اور مغربی تہذیب کی موجودہ شکل اختیار کر گیا ہے ۔ یہ انسانی معاشرت کی آخری اور مکمل شکل ہے جس میں اب مزید بہتری کا کوئی امکان نہیں ہے ۔ گویا جس طرح نسلی اعتبار سے انسان آخری منزل ہے اور اب اس کے کوئی نئی شکل اختیار کرنے کا امکان نہیں ہے ۔ اسی طرح معاشرتی لحاظ سے بھی یہ تہذیب آخری منزل ہے ' اب اس سے بہتر کوئی معاشرتی ڈھانچہ سامنے آنے کا امکان نہیں ہے ۔ اسے تاریخ کے اختتام (end of the history) سے تعبیر کیا جا رہا ہے اور مغربی دانش ور اب ارتقا کے عمل کو مزید آگے بڑھانے کے امکانات کو مسترد کرتے ہوئے مکمل تباہی کو انسانی زندگی کی اگلی منزل قرار دے رہے ہیں ۔ اس طرح جب موجودہ انسانی معاشرہ نہ صرف انسانیت بلکہ پوری کائنات کی آخری مکمل اور ترقی یافتہ شکل قرار پاتا ہے ' اور یہی کائنات ' وجود کا حاصل ہے ' تو خیر و شر کا آخری معیار بھی یہی ہے ۔ اس لیے جسے یہ انسانی معاشرہ خیر قرار دے دے وہی خیر ہے ' اور جو اس معاشرے کے نزدیک شر قرار پائے وہی شر ہے ۔ اس کے علاوہ خیر اور شر کے ماپنے اور جانچنے کا کوئی اور پیمانہ موجود نہیں ہے جس کی بنیاد پر کسی چیز یا کام کے خیر یا شر ہونے کا فیصلہ کیا جا سکے ۔

مگر اسلام اس تصور کو سرے سے قبول نہیں کرتا ۔ قرآن و سنت پر یقین رکھنے والے ہر مسلمان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ کائنات کسی حادثہ کی پیداوار نہیں ہے بلکہ اسے کائنات کے مالک و خالق "اللہ تعالیٰ" نے پیدا کیا ہے اور وہی اسے ایک نظم کے ساتھ چلا رہا ہے ۔ اسی طرح انسانی نسل کسی ارتقائی عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک مستقل مخلوق کے طور پر پیدا کیا ہے پھر انسانی زندگی کا ایک معاشرہ کی شکل اختیار کر جانا کسی خودرو ارتقائی عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ قرآن کریم کے مطابق نسل انسانی کا پہلا فرد (حضرت آدم علیہ السلام) علم ' قانون ' شرم و حیا ' لباس اور مکان کی سہولتوں سے بہرہ ور تھا ۔ اس کے ساتھ ہی ہر باشعور انسان یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ نسل انسانی آسمانی ہدایات کی پابند ہے جو اس کے پاس اس کے خالق و مالک کی طرف سے حضرات انبیا کرام علیہم السلام کے ذریعہ آئی ہیں اور ان ہدایات کی آخری اور مکمل شکل جناب محمد رسول اللہؐ کی تعلیمات ہیں جن پر عمل در آمد زندگی کے اگلے اور آخری مرحلے میں کامیابی کے لیے ضروری ہے ۔ اسلامی تعلیمات میں انسان کے لیے "احسن تقویم" کا خطاب بھی استعمال کیا گیا ہے اور اسے "اسفل سافلین" کے مقام کا مستحق بھی قرار دیا گیا ہے ۔ گویا انسان اور انسانی معاشرہ کی موجودہ شکل آخری اور حتمی نہیں ہے ۔ یہ امتحانی گزرگاہ ہے جس سے گزر کر اگلی زندگی میں اسے "احسن تقویم" یا "اسفل سافلین" کی منزل سے ہمکنار ہونا ہے اور وہی اس کا انجام (end of the history) ہو گا ۔ جب موجودہ انسانی معاشرہ آخری اور حتمی

منزل نہیں ہے تو اس کی سوچ اور عقل بھی خیر اور شر کا آخری معیار نہیں ہے بلکہ خیر اور شر کا حتمی معیار آسمانی وحی ہے جس کی مکمل شکل جناب محمد رسول اللہؐ کی تعلیمات کی صورت میں موجود ہے۔

اسی پس منظر میں چارٹر کی دفعہ ۵ کا جائزہ لیا جائے تو جرائم کی اسلامی سزاؤں کو غیر انسانی قرار دینے کی وجہ بھی سمجھ میں آجاتی ہے۔ دفعہ ۵ کا عنوان ہے "تشدد کا خاتمہ" اور اس میں کہا گیا ہے کہ "کسی شخص کو تشدد اور ظلم کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا اور کسی شخص کے ساتھ غیر انسانی اور ذلت آمیز سلوک نہیں کیا جائے گا یا ایسی سزا نہیں دی جائے گی"۔ گویا اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق کسی مجرم کو دی جانے والی سزا کا تشدد اور تذلیل کی آمیزش سے خالی ہونا ضروری ہے اور جس سزا میں ان میں سی کوئی عنصر موجود ہو گا وہ انسانی حقوق کے منافی قرار پائے گی۔ اسی بنا پر ہاتھ کاٹنے 'کوڑے مارنے اور سنگسار کرنے کی سزاؤں کو انسانی حقوق کے خلاف قرار دیا جا رہا ہے۔ اور اسی بنا پر پاکستان کی عدالت عظمٰی میں کسی مجرم کو کھلے بندوں سزا دینے کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی سے تعبیر کیا جا چکا ہے جب کہ اسلام میں جرائم پر سخت سزاؤں کا مقصد ہی یہ ہے کہ نصیحت ہو اور دیکھنے والے اس سے عبرت پکڑیں۔ اس کے بعد چارٹر کی دفعہ ۱۶ پر ایک نظر ڈال لیجیے جس میں کہا گیا ہے کہ:

"پوری عمر کے مردوں اور عورتوں کو نسل 'قومیت یا مذہب کی کسی تحدید کے بغیر باہم شادی کرنے اور خاندان کی بنیاد رکھنے کا حق حاصل ہے 'شادی' دوران شادی اور اس کی تنسیخ کے سلسلہ میں وہ مساوی حقوق رکھتے ہیں"۔

اس دفعہ میں اسلامی تعلیمات کی رو سے چند باتیں غور طلب ہیں۔ "مذہب کی کسی تحدید کے بغیر" کا مطلب واضح ہے کہ کوئی مسلمان مرد کسی بھی غیر مسلم عورت سے اور کوئی مسلمان عورت کسی بھی غیر مسلم مرد سے شادی کر سکتی ہے جب کہ یہ اسلامی تعلیمات کے یکسر منافی ہے۔ نیز اسلام نے طلاق کے بارے میں واضح ترجیحات قائم کی ہیں اور دونوں کو یکساں حقوق بہرحال نہیں دیے ہیں۔ اس کے ساتھ چارٹر کی دفعہ ۵ ۲ کی شق ۲ کو بھی شامل کر لیں جس میں کہا گیا ہے کہ:

"ماں اور بچے کو خصوصی توجہ اور مدد کا حق حاصل ہے۔ تمام بچے 'خواہ وہ شادی کے نتیجے میں پیدا ہوں یا بغیر شادی کے پیدا ہوں 'یکساں سماجی تحفظ سے بہرہ ور ہونے کا حق رکھتے ہیں"۔

ان دونوں دفعات کے ساتھ قاہرہ اور بیجنگ میں منعقد ہونے والی اقوام متحدہ کی کانفرنسوں کی سفارشات کو سامنے رکھیں جن میں تمام ممالک سے تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ اپنے عوام کو آزادانہ جنسی اختلاط کے مواقع فراہم کریں 'اسقاط حمل کی سہولتیں مہیا کریں 'بن بیاہی ماؤں کو سماجی تحفظ سے بہرہ ور کریں اور ہم جنسی کو قانونی جواز کی سند عطا کریں۔ ان تمام امور سے خاندانی زندگی سے متعلق قوانین کے بارے میں "عالمی معیار" واضح ہو جاتا ہے جسے اپنانے کی تمام ممالک کو تلقین کی جا رہی ہے

اور یہ تقاضا کیا جا رہا ہے کہ اگر کسی ملک میں اس معیار کے خلاف عائلی قوانین نافذ ہیں تو وہ ان میں ترامیم کر کے انھیں اس عالمی معیار کے مطابق ڈھال لے۔ کم و بیش یہی صورت حال آزادی ضمیر' آزادی عقیدہ' آزادی رائے اور آزادی اظہار کے حوالے سے مذکورہ چارٹر کی تصریحات کی بھی ہے جو چارٹر کی دفعہ ۱۸ اور ۱۹ میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔

"ہر شخص کو آزادی خیال' آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا حق حاصل ہے' اس حق میں اپنا مذہب اور عقیدہ تبدیل کرنے اور انفرادی و اجتماعی طور پر علیحدگی میں یا سب کے سامنے اپنے مذہب یا عقیدہ کی تعلیم' اس پر عمل کرنے اس کے مطابق عبادت کرنے اور اس کی پابندی کرنے کی آزادی کا حق شامل ہے"۔

"ہر شخص کو آزادی رائے اور آزادی اظہار کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں بلامداخلت رائے رکھنے کی آزادی اور بلالحاظ علاقائی حدود کسی بھی ذریعے سے اطلاعات اور نظریات تلاش کرنے' حاصل کرنے اور انھیں دوسروں تک پہنچانے کی آزادی شامل ہے"۔

ان دونوں دفعات پر ایک بار پھر نظر ڈال لیجیے اور سلمان رشدی' تسلیمہ نسرین' پاکستان کے چند مسیحی گستاخان رسولؐ اور قادیانیوں سمیت ان تمام طبقوں اور گروہوں کے مبینہ حقوق کا جائزہ لیجیے جن کی پامالی کا ڈھنڈورا پیٹ کر مغرب کی حکومتیں اور ذرائع ابلاغ انسانی حقوق کے حوالے سے مسلمانوں کے طرز عمل کو مسلسل ہدف تنقید بنا رہے ہیں۔

یہ ایک سرسری اور ابتدائی مطالعہ ہے جو علماکرام اور دانش وروں کو مسئلہ کی سنگینی اور اہمیت کا احساس دلانے کے لیے ہے۔ اصل ضرورت اس امر کی ہے کہ علماکرام اور اہل دانش اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر اور اس کی تشریح و تعبیر میں جنیوا انسانی حقوق کمیشن کی قراردادوں اور فیصلوں کا گہری نظر سے مطالعہ کریں اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کی ایک ایک شق کا تجزیہ کریں' اس پر بڑے دینی اداروں اور مدارس میں مذاکروں اور علمی بحث و مباحثہ کا اہتمام کیا جائے' قرآن کریم' حدیث نبویؐ اور فقہ کی تدریس و تعلیم میں اساتذہ ان موضوعات کو اپنی گفتگو کا حصہ بنائیں اور اہل قلم قومی اخبارات اور دینی جرائد میں ان مسائل پر اظہار خیال کریں۔ ضروری ہے کہ اس تمام تر گفتگو اور مباحثہ میں سیاسی نعرہ بازی اور مناظرانہ اسلوب سے گریز کرتے ہوئے علمی زبان اور منطقی و استدلالی انداز اختیار کیا جائے تاکہ ہم دنیا پر اسلام کی حقانیت' افادیت اور ضرورت کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ ملت اسلامیہ کی نئی نسل اور تعلیم یافتہ افراد کی غالب اکثریت کو غیر شعوری ارتداد سے بچا سکیں جو اسلام کے احکام و قوانین پر مغربی فلسفہ کے اعتراضات کے مسلسل یکطرفہ پراپیگنڈے کے زیر اثر دھیرے دھیرے اس کے دائرہ اثر میں شامل ہوتے جا رہے ہیں۔

مشرقِ وسطیٰ میں امریکی حکمتِ عملی

مسلم سجاد

خلیج کی جنگ اور میڈرڈ کانفرنس ۱۹۹۱ کے بعد مشرق وسطیٰ میں قیام امن کے جس عمل کا آغاز اوسلو معاہدہ اور یاسر عرفات اور اسحاق رابن کے مصافحہ سے امریکہ کی نگرانی میں ہوا، وہ فلسطینی کونسل کے انتخابات اور اسرائیل میں بسوں اور بازاروں میں بم دھماکوں کے بعد، فلسطینی نام نہاد خود مختار علاقے میں اسرائیلی افواج کی کھلی مداخلت، گھروں کو جلانے اور اسکولوں کو تہس نہس کرنے (اس لیے کہ ان نرسریز میں حماس کے مجاہدین تیار ہوتے ہیں) تک پہنچا ہے۔ امریکی سی آئی اے کے افسران فلسطین کے "صدر" سے کہہ رہے ہیں کہ فلاں پانچ "دہشت گردوں" کو گرفتار کرو ورنہ --- (ہم خود کر لیں گے)۔ "دہشت گردی" اہم عالمی مسئلہ ہے جس کے مقابلے کی حکمت عملی کو مزید موثر بنانے کے لیے مصر کے شہر شرم الشیخ میں ۲۹ ممالک کے سربراہ جمع ہوگئے اور اسرائیل کو ۱۰ کروڑ ڈالر کی امداد بھی دے دی گئی۔ پاکستان کے وزیر داخلہ بھی حسنی مبارک کے لیے نیک خواہشات کا پیغام لیے دستخط کرنے کو پہلے ہی حاضر ہوگئے اور وزیراعظم اپنے ملک کے دینی مزاج کو انتہا پسندی کا عنوان دے کر مسخ کرنے پر شاباش کی طالب نظر آتی ہیں۔

ایک صدی کے اختتام اور دوسری صدی کے آغاز پر امت مسلمہ کے لیے یہ منظر نامہ ترتیب دینے میں سرد جنگ کے بعد کی بڑی عالمی قوت، امریکہ کا کھلا ہاتھ ہے جسے خفیہ رکھنے کا تکلف جدید ڈپلومیسی میں بے ضرورت محسوس ہوتا ہے۔ واشنگٹن میں سینیٹ بلڈنگ میں مڈل ایسٹ پالیسی کونسل نے متعلقہ موضوعات پر غور و فکر کے لیے چھ اجلاسوں کا ایک سلسلہ منعقد کیا۔ ایک اجلاس میں وزیر دفاع ولیم پیری نے اظہار خیال کیا اور دوسرے میں ماہرین نے امریکی حکمت عملی کے لیے تجزیہ پیش کیا۔ ان کے خیالات سے حالیہ سیاسی منظر کے پس پردہ کارفرما حکمت عملی کا ادراک ہو سکتا ہے۔

ولیم جسے پیری، امریکی وزیر دفاع۔

جنگ عظیم یا سرد جنگ کے زمانے کے برخلاف، موجودہ یا پیش آمدہ خطرات سے امریکہ کے

وجود اور بقا کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اب ہم اپنی افواج کہاں اور کیوں استعمال کریں؟ میں یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ خلیج اور شرق اوسط میں ہمارے حساس مفادات ہیں اور اگر انھیں خطرہ ہو تو ان کے تحفظ کے لیے ہمیں اپنی افواج استعمال کرنا چاہییں۔ میری رائے ہے کہ سفارت کاری اس وقت موثر ہوتی ہے جب اس کی پشت پر فوجی طاقت ہو اور سب کو معلوم ہو کہ یہ استعمال بھی کی جا سکتی ہے۔ خلیج کے علاقے میں اسرائیل' سعودی عرب' کویت' خلیجی ممالک' ہمارے حلیف ہیں جنھیں ایران اور عراق سے خطرہ درپیش ہے۔ یہ دونوں ممالک ایک دوسرے کے کتنے ہی دشمن ہوں' امریکی مفادلت کے خلاف کام کرنے میں ایک ہیں۔ یہی دو ملک ایٹمی طاقت بن سکتے ہیں۔ خلیج کی سلامتی کو خطرہ' امریکہ کے معاشی مفادلت کے لیے خطرہ ہے۔ خلیج کے ۵ ممالک ایسے ہیں جن میں سے ہرایک کے تیل کے ذخائر شمالی امریکہ کے کل ذخائر سے زیادہ ہیں۔ ہم تیل کے چشموں پر کسی دشمن طاقت کا کنٹرول برداشت نہیں کر سکتے' اسی لیے ہم نے کویت پر عراق کے حملہ کو ناکام بنایا۔ اس سے دیگر فوائد کے علاوہ ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ ہماری ساکھ قائم ہو گئی کہ ہم جنگ لڑ سکتے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ اسرائیل اور اس کے پڑوسیوں کے درمیان امن کا راستہ کھل گیا۔ اس سے انتہا پسند ریاستوں کے عربوں کے قائد بننے کے امکانات ختم ہو گئے اور ہمارے حلیف ممالک کے لیے نئی اور مثبت پالیسیاں اختیار کرنا ممکن ہو گیا۔

خلیج کی جنگ کے موقع پر ہمیں اپنی افواج پہنچانے میں کئی ماہ لگ گئے۔ خلیجی ممالک میں مداخلت اور کارروائی کی شرائط طے کرنے میں بھی کافی وقت لگا۔ لیکن اب اکتوبر ۹۴ میں جب عراق نے اپنی فوج کویت کی سرحد پر پہنچائی تو صرف تین دن میں ہماری افواج محاذ پر تھیں' ہم ڈیڑھ لاکھ فوج استعمال کرنے کی پوزیشن میں تھے اور پھر ہمارے ایک بیان پر صدام کو اپنی فوجیں واپس بلاتے ہی بنی۔ جائزہ لیا جائے تو ۱۹۹۱ اور اب میں فرق یہ ہے کہ اس دوران کی جانے والی فوجی اور سفارتی تدابیر نے ہماری اقدام کرنے کی صلاحیت فیصلہ کن حد تک بڑھا دی ہے۔ علاقے میں اسلحہ کے ذخائر ہر وقت تیار ہیں۔ خلیج کے ممالک کے ساتھ ہماری مشترکہ مشقیں ہوتی رہتی ہیں۔ پھر یہ کہ جوابی حکمت عملی ہمیں طے نہیں کرنا ہوتی' بلکہ پہلے سے منظور شدہ ہے۔

ہروس ایڈل' ماہر امور مشرق وسطٰی' نیشنل انٹیلی جنس کونسل

عربوں اور اسرائیل میں قیام امن کے عمل کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ خلیج کی جنگ تھی جس نے میڈرڈ کانفرنس کا راستہ کھولا۔ عراق کی شکست امن مسترد کرنے والوں کی شکست تھی۔ تل ابیب پر میزائل حملوں نے اسرائیل کو بھی امن کی ضرورت کا احساس دلایا۔ اس طرح دونوں طرف حقیقت پسندی کا رجحان سامنے آیا۔ اب امید ہے کہ اس عشرے کے دوسرے نصف میں چاروں محاذوں پر

معاہدات کے بعد امن قائم ہو گا اور ایشیا اور افریقہ کے درمیان خشکی کے وہ تاریخی راستے کھل جائیں گے جو ۱۹۴۷ سے بند ہیں۔

شمالی افریقہ کے حالات اتنے خوشگوار نظر نہیں آتے۔ الجیریا کی خانہ جنگی نے پورے علاقے کو عدم استحکام کا شکار کر دیا ہے۔ یہاں سیاسی معاہدہ وقت کی ضرورت ہے۔ خلیج کے علاقے میں ایران اور عراق کے متوقع اقدامات کے پیش نظر امریکی افواج کی موجودگی یہاں ناگزیر ہے۔ ایران بین الاقوامی دہشت گردی کا سب سے بڑا سرپرست ہے' اگر روکا نہ گیا تو ۲۰۰۰ تک وہ ایٹمی طاقت بن جائے گا۔ عراق کے پاس اب بھی ۲ ہزار ٹینک اور ۳ سو جنگی جہاز ہیں۔ پابندیوں کے باوجود وہ مزید اسلحہ جمع کر رہا ہے۔ جو لوگ عراق پر سے پابندیاں اٹھانے کی بات کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ جیسے ہی اسے تیل کی اپنی آمدنی ملنا شروع ہوئی (۱۵ بلین ڈالر) وہ اپنی فوجی طاقت میں اضافہ کرے گا۔ عراقی حکومت تبدیل ہوئے بغیر' عراق کو بین الاقوامی دنیا میں آنے کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔

اس علاقے میں ایٹمی ہتھیار روکنے اور حقیقی اقتصادی ترقی کی ضرورت ہے۔ معاشی بدحالی انتہا پسندی کو جنم دیتی ہے اور بے روزگاری سے تشدد پیدا ہوتا ہے۔

ولیم کوانیڈٹ 'پروفیسر گورنمنٹ اینڈ پالیٹکس' یونیورسٹی آف ورجینیا

مشرق وسطیٰ میں اصل کمی امن' جمہوریت اور ترقی کی رہی ہے۔ ایران عراق جنگ ہو' عرب اسرائیلی جنگ ہو یا عربوں کی باہمی جنگیں' علاقے نے اس کی بڑی قیمت ادا کی ہے۔ اس علاقے کے لوگوں کے حصے میں بڑی خراب حکومتیں آئی ہیں۔ کسی سے بھی پوچھ کر دیکھ لیں' خود حکمران بھی جانتے ہیں کہ اگر لوگوں کو موقع دے دیا گیا تو وہ انھیں نکال باہر کریں گے۔ انھوں نے اقتدار پر قبضہ کے بعد اپنے عوام کو خوشحالی اور عدل سے محروم رکھا ہے۔ جہاں تک ترقی کا معاملہ ہے' وسائل کے لحاظ سے یہ علاقہ مالا مال ہے' اصولاً اسے بہت خوشحال ہونا چاہیے' لیکن یہاں کوریا' تائیوان یا ملائیشیا جیسی کوئی مثال نہیں ہے۔

مشرق وسطیٰ کے مسائل کا حل یہی ہے کہ یہاں زیادہ امن' زیادہ جمہوریت' زیادہ ترقی ہو۔ کچھ کہتے ہیں کہ سب چیزیں ایک ساتھ ہوں' لیکن یہ بس کہنے کی بات ہے' ایسا ہوتا نہیں ہے۔ بعض امریکیوں کا موقف ہے کہ معاشی خوشحالی ہو' تو سب مسائل حل ہو جائیں گے' جمہوریت بھی آجائے گی' جنگیں بھی بند ہو جائیں گی۔ امریکہ مشرق وسطیٰ کی حکومتوں کو مشورہ دیتا ہے کہ صنعتوں کی نج کاری کر دو مگر ان ممالک میں اس کا مطلب مزید کرپشن ہے۔

میری رائے میں امریکی پالیسی ان تین نکات پر مرکوز ہونا چاہیے۔

ہمیں قیام امن کے امکانات کو آگے بڑھانا چاہیے۔ اس وقت فلسطینی یہ سمجھنے میں حق بجانب

ہیں کہ اوسلو معاہدہ اسرائیل کو بالادستی فراہم کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایسے امن کے خلاف کسی وقت بڑی لہر اٹھ سکتی ہے۔ فلسطینی تمام عربوں سے زیادہ' جمہوریت کے خواہاں ہیں' ہمیں فلسطینی ریاست کی تائید کرنا چاہیے بشرطیکہ یہ جمہوری ہو۔ یہ اس وقت ہماری سرکاری پالیسی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہونا چاہیے۔ اس سے فلسطینیوں کا اعتماد حاصل ہوگا' جو سمجھتے ہیں کہ موجودہ طویل مرحلہ کے اختتام پر بھی وہ اپنی ریاست سے محروم رہیں گے۔

ایران کے خراب تجربے کے بعد' امریکی اسلامی تحریکوں کے بارے میں درست انداز سے سوچ نہیں سکتے۔ کوئی تو اسے ایسا عظیم خطرہ سمجھتا ہے جسے کسی بھی طرح دور کر دینا چاہیے۔ کوئی اسے مستقبل کی لہر قرار دے کر اس سے معاملہ کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ یقیناً جنگ جو اسلامی تحریکوں سے معاملہ آسان کام نہیں ہے۔ ایران اور سوڈان کے ہمارے تجربات اس کا ثبوت ہیں۔ اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے کہ الجیریا میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے' تو اس سے ہمارے تعلقات ٹھیک رہیں گے۔ اگر ہم اس سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں غور کرنا چاہیے کہ اسلامی تحریکوں کو غذا اور قوت کہاں سے فراہم ہو رہی ہے۔ میں سیکولر شخص ہوں' شاید میرا خیال غلط نہ ہو کہ بیشتر اسلامی تحریکیں بنیادی طور پر مذہب سے متعلق نہیں ہیں۔ یہ نااہل حکومتوں' کرپشن' ظلم اور معاشی استحصال کے خلاف ردعمل ہیں۔ جو حکومتیں برسراقتدار ہیں' انھیں یہ محسوس کرنا چاہیے کہ لوگ عاجز آئے ہوئے ہیں۔ صورت حال کی اصلاح صرف اقتصادی تدابیر سے نہیں ہو سکتی' سیاسی حکمت عملی بھی ہونا چاہیے۔ ہمیں اپنا رسوخ اس لیے استعمال کرنا چاہیے کہ حزب اختلاف کو سیاست کے ذریعے' نہ کہ تشدد اور دہشت گردی کے ذریعے شرکت کا موقع ملے۔ اس طرح یہ ایک مختلف علاقہ ہو جائے گا۔ جہاں استحکام جمہوریت اور ترقی ہو گی۔

ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ کسی حکومت کا خاتمہ' لازماً بہتر حالات پیدا نہیں کرتا۔ لبنان اور یوگوسلاویہ کی مثال سامنے ہے۔ اس لیے موجودہ اداروں کی توڑ پھوڑ سے پہلے' متبادل کی تیاری کرنا چاہیے۔ معاشی اور سیاسی ترقی کے لیے استحکام ناگزیر ہے۔

رچرڈ فاک' پروفیسر آف انٹرنیشنل لا' پرنسٹن یونیورسٹی

میں تین نکات کی طرف توجہ دلاؤں گا:

۱۔ امریکہ نے اس علاقے میں ریاستوں کے باہمی تعلقات پر توجہ دی ہے لیکن یہاں کے عوام کی بہتری کی فکر نہیں کی ہے۔ اس نے اس بے چینی کو نظرانداز کیا جو آج اسلامی انتہاپسندی کی شکل میں سامنے آ رہی ہے۔

۲۔ ہم نے بحیثیت ایک ملک اس علاقے کی حد تک سرد جنگ کے خاتمہ کی حقیقت کو تسلیم نہیں

کیا ہے۔ اب یہاں دشمن ممالک کے مفادات نہیں ہیں۔ اب ہمیں محدود کرنے (containment) کی پالیسی اختیار نہیں کرنا ہے۔ ہمیں علاقے کے جن دو ممالک سے اندیشے ہیں' ان سے سرد جنگ کی محدود کرنے کی نفسیاتی فضا سے آزاد ہو کر معاملہ کرنا چاہیے۔ ہم نے غیر ضروری طور پر نہ ختم ہونے والے مقابلے کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔

۳۔ علاقے کے مسائل کا جائزہ لیتے ہوئے ہم یہ نظرانداز کر دیتے ہیں کہ ان مسائل کو پیدا کرنے کی ہماری بھی ذمہ داری ہے۔ سرد جنگ کے پس منظر میں' ۸۰ کے عشرے میں عراق کو اسلحہ ہم نے فراہم کیا۔ اب ہم ایک کمزور' شکست خوردہ' عراق کو امریکہ اور علاقے میں اس کے مفادات کے لیے اس تنومند عراق سے بڑا خطرہ سمجھتے ہیں' جسے ہم نے خود ایران پر حملہ کرنے کے لیے اکسایا۔ دراصل ہم سرد جنگ کے نفسیاتی اثرات کے اسیر ہو گئے ہیں--- دشمن نہ ہو' تو ہم دشمن ایجاد کرنے کے لیے تیار ہیں اور پھر اس کو سائز سے بڑا تصور کر کے' مقابلے پر آجاتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ امریکہ کی علاقے سے باہر کی ذمہ داری دو میدانوں میں ہے جس پر مناسب توجہ نہیں دی گئی ہے۔ ایک اسلحہ فراہم کرنے والوں کا کردار ہے۔ جب تک ہم اس بارے میں علاقے کے عوام کی خواہشات کے مطابق پالیسی اختیار نہیں کریں گے' جمہوریت کے لیے ہماری باتوں کا کوئی وزن نہیں ہو گا۔ جب ہمارا صدر سعودی عرب کو فون کر کے کہتا ہے کہ فرانس کے بجائے امریکیوں سے اسلحہ خریدا جائے' تو عوام سمجھ جاتے ہیں کہ ہماری حقیقی ترجیحات کیا ہیں۔

دوسرا میدان' ہمارے دہرے معیار ہیں' جب امریکہ کے دوست اپنے عوام پر مظالم کرتے ہیں تو امریکہ نظریں چرا لیتا ہے۔ ہماری آنکھیں دشمنوں کی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو فوراً دیکھ لیتی ہیں اور حلیفوں کے لیے اندھی ہو جاتی ہیں۔

اس صورت حال سے امریکہ کے لیے دو چیلنج سامنے آرہے ہیں۔ پہلا' علاقے کی دو قوم پرست تحریکوں سے تعمیری رشتہ استوار کرنے کا ہے۔ اب تک کے معاہدوں میں اسرائیل اور فلسطین کے ساتھ انصاف کا سلوک نہیں کیا گیا ہے۔ ان میں فلسطینیوں کے حق خود ارادیت کا تذکرہ بھی نہیں' جو انھیں مطمئن کرنے کے لیے اور مسئلہ کو کامیابی سے حل کرنے کے لیے لازمی ہے۔ موجودہ یک طرفہ سمجھوتے سے ہی بنیاد پرست اسلامی رجحانات کو تقویت مل رہی ہے' معتدل قیادت لوگوں کی نظر میں ناکارہ ثابت ہو رہی ہے' حماس کے مزید طاقتور بننے کے لیے میدان تیار ہو گیا ہے۔ میں ابھی غزہ سے آیا ہوں اور کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایک حقیقت ہے۔ ایک دھماکہ خیز صورت حال تیار ہو رہی ہے۔ امریکہ کی حکومت کو' جو اسرائیل پر رسوخ رکھتی ہے' ایسی پالیسی اختیار کرنا چاہیے کہ معتدل قیادت طاقتور ہو سکے۔ حساس فلسطینی قیام امن کے عمل کے مخالف ہو چکے ہیں۔ جو جمہوریت کے حامی ہیں' وہ بھی اس

عمل کو دھوکہ سمجھتے ہیں۔ اس بات کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ اس ملک کے میڈیا نے کیا ہے ' بلکہ اسے اہمیت دینا چاہیے۔

کردوں کے مسئلہ کو نظرانداز کرنا بھی غلط ہے۔ ۲ کروڑ کرد ظلم کا شکار ہیں ' ترکی کی حکومت ' ان پر ظلم کرتی ہے تو وہ ہم کو نظر نہیں آتے۔ اگر ہماری حکومت کردوں کی حمایت کرے ' اور ترکی کی حکومت سے معمول کے تعلقات قائم کرے ' تو اس کے مفادات کی بہتر خدمت ہوگی۔ موجودہ پالیسیاں سیاسی سوچ سے عاری نظر آتی ہیں۔ عراق پر پابندیوں سے شہری آبادی کو نقصان پہنچ رہا ہے ' چار سال میں ' اس نے حکومت کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے۔ بین الاقوامی برادری ' عراق کے عوام کو اس بات کی سزا دے رہی ہے کہ مغربی حکومتیں ' خلیج کی جنگ کے بعد کے حالات سے نبرد آزما ہونے کی مناسب صلاحیت نہیں رکھتیں۔ امریکہ کی حکومت کو ' ان مسائل کو انسانی حقوق اور خود ارادیت کے اصولوں کے تحت حل کرنا چاہیے۔ جب تک یہ نہ ہوگا ' علاقے میں استحکام نہ ہوگا۔

عراق کے حملے کا اندیشہ نہایت گمراہ کن ہے۔ اصل خطرہ داخلی کشمکش کا وہ اظہار ہے جو اسلامی انتہا پسندی کی مختلف شکلوں میں ہو رہا ہے اور اب سعودی عرب میں بھی ہوا ہے۔ ایران کے تجربے نے امریکہ کو سکھایا ہے کہ اگر یہ طاقتیں اقتدار میں آگئیں ' تو امریکہ اپنے مفادات کی حفاظت نہیں کر سکے گا۔ لیکن اندرونی معاملات میں مداخلت کر کے مقاصد حاصل کرنے کی کوئی قابل اعتماد روایت نہیں ہے اس لیے ہمیں ایسے حالات پیدا کرنے چاہییں جن سے سیاسی اور مذہبی انتہا پسندوں کی حوصلہ شکنی ہو۔ ہمیں معاشی ترقی کو اولیت دینا چاہیے۔ اگر علاقے کے عوام کو حالات کی بہتری کی امید نہیں ہوگی ' تو مذہبی انتہا پسندی کی طرف بہاؤ جاری رہے گا۔ اس مقصد کے لیے علاقے کے ممالک کی اپنی پالیسی اور ہمارا اور ہمارے یورپی حلیفوں کا اس میں کردار ' غور و فکر کا موضوع ہے۔

میں آخر میں یہ کہوں گا کہ مجھے مشرق وسطیٰ کے مستقبل کے حوالے سے ' اپنے پالیسی سازوں میں اخلاقی سیاسی تصورات کے فقدان سے مایوسی ہوتی ہے۔ ہمیں نصف صدی میں بہتری کا جو موقعہ ملا ہے ' اسے ماضی کا اسیر ہونے کے بجائے ' مستقبل کی طرف نظر رکھ کر ' عوام کی بہتری ' انسانی حقوق پر سنجیدہ رویے ' جمہوریت کے لیے اخلاص ' فلسطینیوں کے ساتھ زیادہ مبنی بر انصاف پالیسی اور کردوں کے مسئلہ کے تعمیری حل کے راستے تلاش کرنے میں استعمال کیا جائے اور اسلحہ سازوں پر قدغن لگا کر ' فوجی رویے کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ ایٹمی مسئلہ پر بھی میں یہ کہوں گا کہ جب ہم اسرائیل کی پوزیشن کو نظرانداز کر کے ' دوسرے ممالک کو پابندی کا وعظ کہتے ہیں تو ہماری ساکھ کو دھچکا لگتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ ہمارے پالیسی ساز ایٹمی پھیلاؤ کے خلاف بولتے ہیں ' اور یہ نظرانداز کر دیتے ہیں کہ علاقے میں ایک ایٹمی طاقت موجود ہے۔

(Middle East Policy, Vol. 3. No. 2 -3 1994 ' اخذ و ترجمہ و تلخیص)

اخبار امت

چیچنیا کا سبق

چیچنیا کے مٹھی بھر سرفروش جس آن بان سے روس جیسی طاقت کو ناکوں چنے چبوا رہے ہیں' یقیناً نئی صدی کے آغاز پر وہ امت مسلمہ کے درخشاں مستقبل کا سرعنوان ہے۔ یہ وہ لٹا ہوا روس ہے جس کے 'دبدبے' کا اب بھی یہ عالم ہے کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے ملک انسانی حقوق کے سنگین خلاف ورزیوں اور شہری آبادیوں پر بے پناہ مظالم کے باوجود ایک کلمہ مذمت کہنا تو درکنار' اگر روس یہ الزام لگا دے کہ آپ کے ہاں سے ان 'ڈاکوؤں' کی مدد ہو رہی ہے' تو وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہیں کہ جی' ہماری یہ مجال کہاں! عدم مداخلت کے اصول نے ان کے ہاتھ باندھ دیے ہیں اور ان کی زبانیں گنگ کر دی ہیں۔ اس اصول کو سب سے پہلے ہم کو توڑنا چاہیے کہ مسلمان پر جہاں بھی ظلم ہو' ہر مسلمان ملک کا مسئلہ ہے' لیکن اب جب دوسرے اپنے ورلڈ آرڈر کے تحت اس اصول کو پاؤں تلے روند چکے ہیں' مسلمان ممالک اسے سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔

گروزنی کی لڑائی آج بھی جاری ہے۔ روسی جرنیل جس شورش کو ڈھائی دن میں فرو کرنے کے لیے دو سال پہلے لاؤ لشکر لائے تھے' وہ ان کے اور ان کے حکمرانوں کے لیے آج بھی ڈراؤنا خواب بنی ہوئی ہے۔ اوائل مارچ کے تازہ ترین واقعہ میں چیچن سرفروشوں نے اچانک حملہ کیا اور حیرت زدہ روسی لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے' اب دوبارہ قبضے کے لیے کمک پر کمک آرہی ہے' لیکن گروزنی کی تسخیر یالٹسن کو صرف خواب ہی میں نظر آتی ہے۔ اس سے قبل Budeinnovsk کے ہسپتال والے واقعہ کی تفصیلات چیچن سرفروشوں کی جانبازی اور روسی افواج کے ظلم اور بزدلی کی آئینہ دار ہیں۔ داغستان کے قریب قصبہ Pervomaiskoye پر یرغمالی چھڑانے کے لیے جس بیدردی سے فوجی کارروائی کی گئی اس پر خود روسیوں نے اپنی فوج کو وحشی جانور قرار دیا۔

قوموں کی تاریخ میں اس طرح کے واقعات ایک طرح کی کسوٹی ہوتے ہیں جس پر ہر فریق اپنے کو

جانچ سکتا ہے اور آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔ مغربی اقوام نے خود اپنے جنیوا کے بین الاقوامی کمیشن کا یہ مطالبہ تسلیم نہیں کیا کہ بین الاقوامی قوانین کی کھلی خلاف ورزیوں پر روس کا کونسل آف یورپ میں داخلہ موخر کر دیا جائے۔ انھیں تو یہ شکایت ہے روس قابو کرنے میں اتنی دیر کیوں لگا رہا ہے۔

۱۹۹۱ میں جعفر دادایوف کے چیچنیا کے اعلان آزادی کے بعد روس نے جو پالیسی اختیار کی وہ کھلی نسل کشی کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ اب کاکیشیا کے دسرے مسلمان بھی یہ سوچنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ وہ روس کے اندر نہیں رہ سکتے۔ مغرب کے بعض باضمیر اخبارات روس کو مشورے دے رہے ہیں کہ وہ آبادیوں کو ملیامیٹ کرنے کی بجائے' آزادی دینے کے لیے راستے نکالے۔ روس کے ذرائع ابلاغ اپنے عوام کو گمراہ کن اطلاعات دے رہے ہیں لیکن جن تک صحیح اطلاعات پہنچ رہی ہیں وہ اپنی حکومت سے بیزار ہو رہے ہیں۔ رہا ہونے پر یرغمالی چیچن لوگوں کے حسن سلوک کی گواہی دیتے ہیں' انھیں جو نقصان پہنچا روسی فوج کی کارروائی سے پہنچا۔

چیچنیا کا جہاد آزادی دنیا کے ہر مسلمان کے لیے ایک آزمائش اور پکار ہے۔ او آئی سی (oh! I see) ایک غیر موثر اور بے آواز ادارہ ہے۔ اصولا تو حکومتوں کی دہشت گردی کا مقابلہ کرنے والوں کو قوت بہم پہنچانا چاہیے' سربوں کے خلاف' بھارتیوں کے خلاف' اسرائیل کے خلاف' روسیوں کے خلاف' متحدہ محاذ بنانا چاہیے لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ دہشت گردی کا شکار ہونے والوں پر ہی دہشت گردی کا لیبل چسپاں کر دیا گیا ہے اور خود مسلمانوں کی حکومتیں کارروائی کے لیے اپنے کندھے لیے حاضر ہیں۔ اس پر جتنی بھی نفریں کی جائے کم ہے۔ تفو بر تو.....۔

ایک فریضہ مسلم اہل قلم اور تخلیق کاروں کا ہے۔ مسلمانوں کا درد رکھنے والے جو بھی ذرائع ابلاغ سے متعلق ہیں' انھیں چاہیے کہ ڈراموں' افسانوں اور فلموں کے ذریعے چیچنیا کے مجاہدوں کا پیغام ہر مسلمان کے دل کی آواز بنا دیں۔ یہی ہماری طاقت کا راز ہے' ہمارا وہ نیوکلیر بم ہے جسے امریکہ ٹوپی نہیں اڑھا سکتا۔ ہم پاکستانی جنھیں سقوط ڈھاکہ کے وقت سکیورٹی کونسل میں بھٹو کی تقریر نے چھوٹے ہونے کا سبق پڑھایا تھا ذرا چشم سر سے دیکھیں کہ لیاقت آباد جتنے چیچنیا کو روس بڑا نظر نہیں آتا۔ ہم صرف اپنا ایمان درست کریں' تو بھارت ہماری ٹھوکروں میں' اور کشمیر ہمارے ہاتھ میں ہو گا۔ دشمنوں کو صرف یہ معلوم ہو جائے کہ چیچنیا کا سبق ہم نے بھی پڑھ لیا ہے۔ امت کو بیدار کرنے کے لیے منظم گروہوں کو آگے بڑھنا چاہیے اور سرفروشی' ایمان' عزیمت اور قربانی کی جو داستانیں چیچنیا میں' کشمیر میں' فلسطین میں اور ہر محاذ پر خون سے رقم کی جا رہی ہیں ان کا آہنگ ہر مسلمان کے دل میں دھڑکنا چاہیے۔

تحریک اسلامی: آج کے مسائل

ڈاکٹر بلال مسعود

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کے مضمون "تحریک اسلامی: آج کے قابل غور مسائل" میں چند نہایت اہم عصری مسائل کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ "انسانی" عقل و تجربہ سے کچھ "اخذ" کرنے کے بارے میں اسلامی حلقوں کے کچھ غیر ضروری تحفظات ہیں جن کی نمایندگی اس رائے سے ہوتی ہے کہ "اسلام ہر اعتبار سے خود کفیل ہے، اور دنیا کی اسلامی تعمیر نو میں کسی اور ماخذ سے راہ نمائی حاصل نہیں کرنی ہے"۔

تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اسلام بہت سے معاملات انسانی عقل و تجربہ پر چھوڑتا ہے، جن کی نشان دہی نبی کریمؐ نے کھجوروں کی پیوند کاری کے بارے میں اپنے مشہور فرمان: "تم اپنے (اس طرح کے) امور مجھ سے بہتر جانتے ہو" میں فرمائی تھی۔ یعنی وحی کے ساتھ ساتھ (دنیاوی) تجربہ بھی ایک اہم ماخذ علم ہے۔اس دوسرے منبع سے غیر مسلموں نے بھی علم حاصل کیا ہے، جس سے ہم بھی بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

اس بارے میں غلط موقف کے باعث ہمارے اندر جدید علوم پر مجتہدانہ تنقید کرنے کا مطلوبہ ذوق و شوق پیدا نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام میں مختلف علوم بالخصوص انسانی علوم (human sciences) میں مغربی اساتذہ کے لائق شاگردوں سے اونچا معیار نہیں پیش کیا جا سکا۔ خود فطری علوم (natural sciences) کے بارے میں بھی صورت حال خوش گوار نہیں۔ آج کا مسلمان مغربی ٹیکنالوجی کی اہمیت کا تو قائل ہے، مگر اس کی بنیاد میں موجود سائنس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ہمارے ہاں سائنسی طرز فکر کی کمی کے باعث، تحریکات اسلامی بھی کوتاہ نظری اور جذباتیت سے متاثر ہیں۔ شاید اسی وجہ سے ڈاکٹر صدیقی صاحب کو یہ کہنا پڑا کہ "تحریک اسلامی کو اس سوال کا جواب دینا ہے کہ سائنس و ٹیکنالوجی میں پیش رفت کی اسلامی اہمیت کیا ہے؟"

جدید انسانی علوم میں مہارت کی دوسری ضرورت ہمیں فقہ پر نظر ثانی (یا اضافہ) کرنے اور کرتے رہنے کے لیے ہے۔فقہ عصری حالات پر قرآن و سنت کے انطباق کا نام ہے، ہم عصری حالات کا علم حاصل کیے بغیر پہلے سے مرتب فقہ کی تقلید کیے جا رہے ہیں۔

جدید علوم کی ایک تیسری ضرورت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ "زندگی کے چند ایسے اصول و مقاصد جن کی اسلام نے ایسے حالات میں تعلیم دی تھی' جب دنیا ان سے روگرداں تھی ' آج ساری انسانیت قبول کر چکی ہے ۔ آزادی' مساوات ' جمہوریت ' سماجی عدل ' اور انسانی عزو شرف کے تصورات کی عملی تعبیروں میں اختلاف کے باوجود یہ بات بہت اہم ہے کہ اب دنیا ان پر متفق ہو چکی ہے"۔

قوم پرستی کے اثرات کا جائزہ لینے کی بھی ضرورت ہے کہ جدید انسان ' انسانی سلوک صرف "اپنوں" سے کرتا ہے یا "غیروں" سے بھی؟ ہم کو معاصر غیر مسلموں کی خوبیوں کی اسی طرح قدر کرنا چاہیے جس طرح ہماری روایتی کتب میں قریش مکہ کی انسانی خوبیوں (مہمان نوازی' بہادری وغیرہ) کی تعریف کی جاتی ہے ۔ دائرہ اسلام سے باہر کے انسانوں کی ان خوبیوں کو تسلیم کرنے اور ان سے استفادہ کرنے سے انکار کر کے ہم دنیا کی اسلامی تعمیر نو کا کام بلاوجہ زیادہ مشکل بنا دیں گے ۔

ڈاکٹر صدیقی صاحب کے اس سوال پر کہ " (مسلمان) حکومتوں سے بہت سی قانونی تبدیلیوں کے مطالبے کو اولیت حاصل ہونی چاہیے' یا کچھ اور کاموں کو" مولانا مودودی ؒ نے سید احمد شہید ؒ کی ناکامی کے حوالے سے لکھا ہے: سید احمد شہید ؒ نے مقامی آبادی کی ذہنی تیاری کے بغیر ان پر شرعی قوانین نافذ کر دیے" --- شاید ہم آج یہ سبق بھول چکے ہیں ۔ ڈاکٹر صدیقی صاحب نے اس کی بھی یاد دہانی کروائی ہے ۔

علمی و فکری کاموں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ڈاکٹر صدیقی فرماتے ہیں کہ "اگر یہ رائے درست ہے کہ سیاسی اور سماجی انقلاب کی راہ علمی و فکری انقلاب ہی ہموار کر سکتا ہے ' تو ابھی راہ ہموار کرنے کے لیے 'بہت کچھ کرنا باقی ہے"۔ تحریکات اسلامی نے اس طرف کماحقہ توجہ نہیں دی ۔ نتیجہ یہ ہے کہ "علم و ادب اور تحقیق و تفتیش کو وہ مقام حاصل نہیں جو آیندہ کسی زبردست پیش رفت کی بنیاد بن سکے"۔

ان آرا کا محرک عالمی سطح پر تحریک اسلامی کا وہ نیا دور ہے جس میں مسلمانوں کو دنیا کی اسلامی تعمیر نو میں فعال حصہ بھی لینا ہے نیز اسلامی فکر کے مطابق متبادل نظام پیش کرنے کا چیلنج بھی کہیں نہ کہیں درپیش ہے (یا ہو گا' ان شاء اللہ) ۔ لہٰذا آج یہ سوال بھی بہت اہم ہے کہ ہم ہمیشہ تعمیر نو ہی کریں گے' یا بوقت ضرورت معاصر نظاموں کو اسلامیانے کے امکان کو بھی تسلیم کرتے ہیں ۔ غالباً یہی احساس مذکورہ بالا گزارشات کا محرک ہے ۔ میرا مقصد یہ نہیں کہ ڈاکٹر صدیقی صاحب جو کچھ فرمائیں ' اس سے کلیتہ اتفاق کیا جائے ۔ ان کے مضمون کی اہمیت دراصل ان مباحث کو چھیڑنے کے سلسلے میں ہے ۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ ان جدید مسائل کا کیا حل پیش کرتے ہیں' اور ان کی تجاویز کس حد تک قابل قبول ہیں ۔ فکر کی دنیا میں یہ مضمون ایک آغاز نو ثابت ہونا چاہیے' نہ کہ اختتام!

رسائل و مسائل

رشتوں میں تاخیر

آج کل مختلف وجوہات سے رشتے طے کرنے میں تاخیر کی جاتی ہے اور لڑکے اور لڑکی کی عمریں کافی زیادہ ہو جاتی ہیں۔ بعض اوقات نسبت طے کرنے کے بعد 'طویل مدت کچھ مسائل کے حل کے انتظار میں گزار دی جاتی ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ نکاح کر دیا جاتا ہے اور رخصتی تعویق میں پڑ جاتی ہے۔ ان امور کے بارے میں شریعت کا منشا کیا ہے۔ اس دوران لڑکے اور لڑکی کے فون پر رابطہ وغیرہ کے بارے میں بھی جواز اور حدود کے مسائل سامنے آتے ہیں۔

نکاح اور رخصتی کے سلسلے میں شرعی ہدایت یہ ہے کہ مناسب رشتہ مل جائے تو پھر دیر نہیں کرنی چاہیے۔ اگر زوجین میں قرابت بھی ہو' ذہنی ہم آہنگی بھی ہو' شادی ان کی ضرورت بھی ہو کہ عنفوان شباب میں ہوں' تو ایسی صورت میں رسوم و رواج کے چکر میں پڑنے' جہیز تیار کرنے' کثیرالاخراجات ولیموں کے اہتمام وغیرہ میں وقت نہیں لگانا چاہیے۔ بلکہ سادی سی مجلس نکاح منعقد کر کے رخصتی کر دینا چاہیے۔ ایک ایسا معاشرہ جس میں پاکیزگی کی خواہش ہو جس میں عفت و عصمت کی حفاظت کا اہتمام مقصود ہو' جس میں احکام شرعیہ کا قیام اور نفاذ مطلوب ہو' اس میں ٹھاٹھ باٹھ اور شان و شوکت کی حامل شادیوں کو رواج نہیں دیا جاتا۔ اگر نوجوان جوڑوں کو شادی کے لیے چار چار' پانچ پانچ سال انتظار میں رکھا جائے تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے کہ انھیں فتنہ میں ڈال دیا جائے اور ان کو سخت امتحان سے دوچار کر دیا جائے۔ یہ تو ظلم کی ایک قسم ہے جو دین و دنیا دونوں تباہ کر دینے والی ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تمھیں ایسا آدمی پیغام نکاح دے جس کے دین اور اخلاق تمھیں پسند ہوں تو شادی کر کے رخصت کر دو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور وسیع پیمانے پر فساد برپا ہو گا۔ اور فرمایا تین آدمیوں کی مدد اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے' وہ غلام جو رقم دے کر آزادی چاہتا ہے۔ اس نے معاہدہ کر لیا ہے اور رقم ادا کرنا چاہے تو اس کی مدد اللہ کے ذمہ ہے۔ دوسرا وہ شخص جو پاک بازی کے لیے نکاح کرنا چاہے' تیسرا مجاہد فی سبیل اللہ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نوجوانو! جو شادی کے اخراجات (مہر' نان نفقہ' سکونت) پیدا

کر سکتا ہو' تو وہ شادی کرے کہ یہ نظروں کو نیچی رکھنے اور شرمگاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور جو اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ روزے رکھے کہ یہ اس کی شہوت کو دبانے اور کمزور کرنے والے ہیں۔ (متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ)۔

پھر نکاح نبی اکرمؐ کی ایک سنت ہے اسے جس قدر جلدی ادا کیا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ پتہ نہیں کل حالات میں ایسا بگاڑ آ جائے کہ شادی ممکن نہ رہے۔ یہ محض اپنی شہوت کو پورا کرنے اور گھر بسانے کا نام نہیں ہے بلکہ عبادت ہے اور ایسی عبادت کہ اگر اس کو ادا کرنے کا فوری انتظام نہ کیا جائے تو گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ بھی ہے۔ اس لیے اس میں تعجیل کرنا چاہیے۔ اگر دیر کی جائے تو اس سے نسل انسانی کے اس دنیا میں برقرار رہنے اور پھیلنے کی حکمت عملی متاثر ہوتی ہے۔ نکاح سے ایسی نیکیاں ظہور میں آتی ہیں جو آخرت میں نکاح کرنے والوں کے لیے رفع درجات کا ذریعہ بن جائیں۔

صحابہ کرامؓ' تابعینؒ تو نبی اکرمؐ کے ارشادات اور آپؐ کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھتے تھے اور اس لیے وہ نکاح میں کسی نام و نمود اور ٹھاٹھ باٹھ کو شامل نہیں کرتے تھے۔ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: "سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں اخراجات کی آسانی ہو"۔ (بیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوٰۃ شریف)۔ اور نکاح کی اس قدر اہمیت بیان فرمائی کہ نکاح کو نصف ایمان کی تکمیل قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا: "جب ایک آدمی شادی کرتا ہے تو اپنے آدھے دین اور آدھے ایمان کی تکمیل کرتا ہے۔ نکاح کے بعد باقی آدھے میں وہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرے" (بیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوۃ شریف)۔ نکاح کی اس دینی اہمیت کو نبی اکرمؐ نے مختلف طرح سے واضح فرمایا: ارشاد ہے: "جو میرے دین کو پسند کرتا ہے' میری سنت کی پیروی کرے اور میری ایک سنت نکاح ہے" (بیہقی فی السنن الکبریٰ)۔ جو میرے دین کو پسند کرتا ہے۔ اور فرمایا: جو آدمی نو عمری (یعنی نوجوانی میں) شادی کر لیتا ہے تو اس کا شیطان واویلا مچاتا ہے اور کہتا ہے 'ہائے میری ہلاکت' اس نے تو اپنے دین کو بچالیا۔ (ابو یعلیٰ فی المسند)۔ ایک روایت میں ہے:

"شیطان کے پاس نیک لوگوں پر اثر انداز ہونے کے لیے عورتوں سے بڑھ کر کوئی ہتھیار نہیں سوائے ان لوگوں کے جو شادی کر لیں' وہ لوگ بے حیائی سے پاک ہیں"۔ (مسند احمد)۔

اس راستہ کو چھوڑ کر محض منگنی کر دینا' نکاح اور رخصتی کو موخر کر دینا' نکاح کے مقصد پر ضرب لگانے کے مترادف ہے۔ ایسے لوگ شاید یہ چاہتے ہیں کہ پاک دامنی اور پاک بازی خالص نہ رہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ برائی کے لیے بھی چور دروازے کھلے رکھے جائیں لیکن کیوں؟ محض اس لیے کہ ان کا نام و نمود ہو جائے۔ ایسے نام و نمود اور ایسی ملازمتوں اور ایسے ٹھاٹھ باٹھ کا کیا فائدہ' جس کے نتیجہ میں برائی کے لیے راستہ ہموار ہو اور نوجوان یا تو تکلیف برداشت کریں یا پھر زنا میں مبتلا

ہوں۔

دینی شعور رکھنے والے نوجوان جوڑوں کے لیے جن کی شادی طے کر کے تاخیر کی جا رہی ہو' مناسب ہے کہ وہ اپنی عفت اور عصمت کے تحفظ کی خاطر اپنے والدین کو بالواسطہ یا براہ راست یہ بات پہنچائیں کہ وہ شریعت کے تقاضوں کو پورا کریں اور انھیں فتنے کے حوالے نہ کریں۔ فتنے میں پڑنے سے بہتر ہے کہ وہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے' والدین یا والدہ سے بات کر لیں اور کہہ دیں کہ نکاح اور شادی کو موخر کر کے نوجوانوں کو آزمائش میں ڈال دینا صحیح نہیں ہے۔ لڑکے اور لڑکی کے نکاح کی بات کھل کر کرنا بہتر ہے اس برائی سے جسے چھپ کر کیا جائے۔

رشتہ طے ہو جانے کے بعد نکاح اور رخصتی کا انتظار کرنے کی بجائے نکاح اور رخصتی میں جلدی کی جائے۔ لڑکی منگیتر سے فون پر اتنی بات کہہ سکتی ہے کہ وہ فون پر گفتگو کا سلسلہ جاری رکھنے کی بجائے شریعت کے تقاضے کو پورا کروائے۔ نیز محض نکاح بھی کافی نہیں ہے' رخصتی بھی ضروری ہے۔ تاکہ ہر کسی کو پتہ ہو کہ یہ جوڑا آپس میں میل جول رکھنے کا حق رکھتا ہے۔ محض نکاح ہو اور رخصتی نہ ہو تو میل ملاپ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اسی سے حیثیت اور عزت مجروح ہوتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تہمت کے مواقع سے بچو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اعتکاف میں تھے کہ ایک زوجہ مطہرہ ملاقات کے لیے تشریف لائیں آپؐ انھیں رخصت کرنے گئے تو دو آدمی گزر رہے تھے۔ آپؐ نے انھیں بلایا اور فرمایا کہ یہ آپ کی ماں ہیں۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ کے بارے میں ہم بدگمانی کر سکتے ہیں! تو آپؐ نے فرمایا شیطان انسان کے بدن میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایسا میل ملاپ جائز ہے جس کے بارے میں کسی کو شک و شبہ نہ پیدا ہو۔ نیز اس لیے بھی کہ ایک اسلامی معاشرہ میں مشکوک قسم کی سرگرمیاں روا نہیں رکھی جاتیں۔ اس لیے کہ اس سے لوگ برائی پر جری ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ برائی کرنے والوں کو معاشرہ میں سزا نہیں ملتی۔ رہی یہ بات کہ بغیر نکاح کے فون پر رابطہ قائم رکھنا اور کھلی کھلی باتیں کرنا تو اسے حدیث میں فتنہ کہا گیا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے پٹرول کے قریب بیٹھ کر دیا سلائی جلانا۔ ایسی صورت میں خطرہ ہے کہ دیا سلائی سے پٹرول میں آگ بھڑک اٹھے۔ بغیر نکاح کے فون پر بات چیت سے تشنگی بڑھتی ہے' خطرہ ہے کہ یہ بات چیت ملاقات پر آمادہ کرے گی اور پھر سلسلہ مزید بڑھتا چلا جائے گا۔ اس لیے اس کی قطعاً" اجازت نہیں ہے۔ یہ وہ شیطانی ہتھیار ہے جس کے سامنے تین تین سو سال عبادتیں کرنے والے بھی شکست کھا گئے۔ اس لیے معمولی درجہ کے متقی اور پرہیزگار نوجوان اس کا کیسے مقابلہ کر سکیں گے۔

اسی بنا پر نبی اکرمؐ نے فرمایا: دنیا سے بچو' عورتوں کے ساتھ اختلاط سے بچو' اس لیے کہ ابلیس

گھات میں دیکھتا رہتا ہے ' جھانکتا رہتا ہے ' اور اس کے جال میں متقی لوگوں کو قید کرنے کے لیے عورتوں سے بڑا کوئی پھندا نہیں ہے"۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے ' ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں ہیں جو مشتبہ ہیں ان کو بہت سے لوگ نہیں جانتے ۔ بس جو مشتبہات سے بچ گیا تو اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا اور جو مشتبہات میں پڑا تو وہ حرام میں پڑ جائے گا۔ جیسے چرواہا' جو ممنوعہ علاقے کے اردگرد اپنے جانوروں کو چراتا ہے قریب ہے کہ اس کے جانور ممنوعہ علاقہ میں چرنے لگیں۔

عطیہ سعدی سے روایت ہے ' فرماتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: "بندہ اس وقت تک متقین کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا جب تک ان چیزوں سے بچنے کی خاطر جن میں مبتلا ہونا خطرناک ہے ان چیزوں کو بھی نہ چھوڑ دے جن میں بظاہر کوئی خطرہ نہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ)۔

ہمارا موجودہ معاشرہ شریعت کے ان اصولوں کو نظرانداز کرنے کی وجہ سے اخلاقی زوال و انحطاط کا شکار ہے ۔ اس میں اختلاط مرد و زن نے ہولناک بیماریوں کو جنم دیا ہے ۔ روز بروز روح فرسا واقعات سامنے آتے رہتے ہیں ۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ نوجوان آگے آئیں اور اپنی سیرت و کردار اور طرز عمل سے معاشرہ کے لیے بہترین نمونہ پیش کریں اور قیادت کا فریضہ سرانجام دیں ۔ ان کے بڑوں کا بھی فرض ہے کہ وہ شریعت کے مطابق چلیں اور اپنی اولاد کو جان بوجھ کر آزمائش اور تکلیف سے دوچار نہ کریں اور ان کو اپنے فرائض اور سنن ادا کرنے کے مواقع فراہم کریں ۔ ورنہ وہ بھی قیامت کے روز جواب دہ ہوں گے (عبدالمالک)۔

مطالعہ قرآن کس طرح؟

میں میڈیکل کالج کی طالبہ ہوں ۔ کالج کی نظامت میرے پاس ہے ۔ کالج میں زیادہ وقت تحریکی سرگرمیوں میں گزرتا ہے ' جس میں درس قرآن ' عام طالبات اور کارکنان سے ملاقاتیں ' مطالعے کی کلاس ' کارکنان کے اجتماعات اور اجتماع مشاورت وغیرہ شامل ہیں ۔ گھر آنے کے بعد گھر کے کام اور نصاب کے مطالعہ کے بعد وقت نہیں بچتا ۔ آپ کے کورس میں شرکت کے بعد قرآن کے مطالعے کا سوچا تھا اور اس کی ضرورت بھی ہے لیکن مجھے ناممکن محسوس ہو رہا ہے کہ میں تمام مصروفیات کے ساتھ قرآن کے لیے زیادہ وقت دے سکوں ۔ ۴۵ منٹ سے ایک گھنٹہ جو کہ میں صبح کے وقت عام طور سے دے پاتی ہوں اس کے لیے نہایت کم ہے ۔ اس لیے سخت ذہنی tension رہتی ہے جس سے تمام کام متاثر ہوتے ہیں ۔ میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ اگر ہم متعین دروس کی تیاری کریں اور ساتھ ہی قرآن کے دیگر حصوں کا مطالعہ بھی جاری رکھیں ' تو کیسے اور کن اوقات میں کریں؟ اگر البقرہ کا مطالعہ شروع کریں تو کس انداز میں اور کتنا روز پڑھیں ۔ ہم کس طرح حصوں کا انتخاب کریں؟ مجھے مشورہ دیں کہ کس طرح کروں؟ میں تمام ہی کرنا چاہتی ہوں اور کر سکتی ہوں۔

قرآن کے بھرپور مطالعے کے لیے شوق اور جستجو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قائم رکھے' اور بڑھائے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی کہ "اللہ سے تقویٰ کرو جیسا کہ اس سے تقویٰ کا حق ہے" تو صحابہ کرامؓ بہت گھبرائے اور ڈرے۔ یہ ہم کیسے کر سکتے ہیں! چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تسلی و سہارے کا سامان کیا کہ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (اللہ سے تقویٰ کرو جتنا تم کر سکو)۔ ہر کام میں 'اور ہر مطلوب کے لیے' خواہ وہ مطالبہ ہو یا اپنا شوق 'یہی استطاعت حد ہے۔ اس لیے تم نے بالکل صحیح سمجھا کہ میں یہی کہوں گا کہ 'جتنا ہو سکتا ہے وہ کرنا چاہیے۔ شوق' مناسب منصوبہ بندی اور محنت سے یہ حد استطاعت بڑھ سکتی ہے۔ لاپروائی اور پست ہمتی یا گھبراہٹ سے کم بھی ہو سکتی ہے۔ شوق تو تمھارے اندر یقیناً ہے' جب ہی تم تربیتی کورس میں آئیں' اور یہ خط لکھا۔ اب ضرورت حقیقت پسندی اور مناسب منصوبہ بندی سے صحیح انداز میں قرآن فہمی کا کام کرنے کی ہے۔

قرآن سے شغف اور رفاقت تو عمر بھر کا کام ہے۔ میڈیکل کی تعلیم ایک عارضی شغل ہے۔ فی سبیل اللہ کام خود قرآن کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرض' تلاش معاش' اور جہاد فی سبیل اللہ کو ان چیزوں میں شمار کیا ہے جن کی بنیاد پر اس نے یہ سہولت دی کہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰن (پڑھو جو آسانی سے ہو سکے' قرآن سے)۔ تم اگر ۴۵ منٹ سے ایک گھنٹہ روزانہ قرآن کے لیے دے سکتی ہو' اور باقاعدگی سے دے سکتی ہو' تو یہ کم نہیں۔ یہ معمول کی ضروری مشغولیات (مثلاً سونا' کھانا پینا' ناگزیر گفتگو وغیرہ) سے بچنے والے وقت کا ۸-۱۰ فی صد ہے۔ اپنے اوقات کے استعمال کو منضبط کر کے تم شاید اور وقت بھی نکال سکو' یا یہی وقت باقاعدگی سے اور زیادہ بہتر طریقے سے لگانے کو یقینی بنا سکو۔ ہم وقت ضائع بہت کرتے ہیں۔ اپنے دو چار ہفتے کے استعمال وقت کا حساب یعنی آڈٹ کرو۔ باقاعدگی سے نوٹ کرو کہ کس کام میں کتنا وقت جاتا ہے۔ تم خود صحیح صورت حال کے انکشاف سے چونک جاؤ گی۔ اس آڈٹ ٹیسٹ کو سامنے رکھ کر دیکھو کہ کون سے کام ترک کیے جا سکتے ہیں' اور کون سے مختصر۔ خصوصاً نظم کی ذمہ داری کے حوالے سے۔ دیکھو کہ کون سے کام اپنی دوسری بہنوں کے سپرد کر سکتی ہو۔ ممکن ہے کہ وہ تم سے کم تر معیار پر کریں' لیکن اگر کرلیں تو ان کے سپرد کرو۔ اس کے بعد یہ کوشش کرو کہ تھوڑے تھوڑے ٹکڑوں میں نامکمل کام کرنے کے بجائے بڑے ٹکڑوں میں مکمل کام کرنے کے لیے فارغ کرو۔ مثلاً اگر تم روزانہ ایک گھنٹہ قرآن کے لیے دینے کے بجائے ایک دن چھوڑ کر ۲ گھنٹے دو تو نتائج زیادہ بہتر ہوں گے۔

قرآن کو ذہن نشین کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ خالی اوقات میں' دوسرے ہاتھ پاؤں والے کام کرتے ہوئے بھی' قرآن پر غور و فکر اور اس کو ذہن و دل کی غذا بنانے کا کام جاری رہ

سکے - چنانچہ متعین کر دہ ایک گھنٹے کے علاوہ بس میں آتے جاتے اور گھر کا کام کرتے ہوئے' بھی قرآن پر غور و فکر ہو سکتا ہے -

ابھی تم جن تعلیمی و تحریکی مصروفیات میں مشغول ہو ان کے پیش نظر میں تم کو یہ مشورہ نہیں دوں گا کہ تم سورۃ البقرہ سے آغاز کرو - منتخب حصوں سے ہی تیاری کرو - ان پر زیادہ سے زیادہ وقت لگاؤ - پر جو تیار کرو وہ کہیں بیان بھی کرو - اپنے بیان کو ' ممکن ہو تو' ٹیپ کر کے خود بھی سنو - عام مطالعہ جاری رکھو ' اور جو حصہ اثر کرے اس کو تیار کر لو - ورنہ میری انگریزی کتاب Way to the Quran میں ایک ۱۲ حصوں کا ' اور ایک ۴۰ حصوں کا نصاب دیا ہوا ہے - یہ دو سال کے لیے کافی ہے - بعض حصوں کو مکمل کسی ایک تفسیر سے ہی تیار کر کے بیان کر دو - اس طرح اس کے مطالب اور اسلوب جزو ذہن بن جائیں گے -

شوق ' بے تابی اور جستجو بہت قیمتی دولت ہے - لیکن جو چیز فرض نہیں اس کی اتنی فکر نہ اوڑھ لینا چاہیے کہ جسم یا ذہن کی صحت متاثر ہونے لگے - اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمھارے شوق قرآن کو قائم و دائم رکھے اور یہ چند مشورے کچھ تمھارے کام آ سکیں - (خ - م)

لیزنگ کمپنی اور سود

میں ایک لیزنگ کمپنی میں عرصہ تین سال سے کام کر رہا ہوں - اس شک میں مبتلا ہوں کہ یہ کاروبار ناجائز اور سود پر مبنی ہے - اس کاروبار میں جن لوگوں کو قسطوں پر گاڑیاں یا مشینری درکار ہوتی ہے وہ ہماری کمپنی مختلف نرخ پر مہیا کرتی ہے اور قسطیں پوری ہونے کے بعد وہ مشینری یا گاڑی گاہک کے نام منتقل کر دیتی ہے - اس کے علاوہ ہماری کمپنی نے سرمایہ کاری کی ایک اسکیم شروع کی ہے جس میں سرمایہ کار کو ایک سرٹیفکیٹ جاری کیا جاتا ہے جس پر اس کو مختلف ریٹ پر منافع ادا کیا جاتا ہے - براہ مہربانی آپ جلد مجھے جواب سے مطلع فرمائیں ' کیونکہ میں یہ ملازمت ' سود کے شک کی بنیاد پر ' چھوڑنے کا ارادہ کر رہا ہوں -

۱- قسطوں پر خرید و فروخت جائز ہے - جمہور علما کا یہ مسلک ترجمان میں شائع ہو چکا ہے - اس میں پہلی شرط یہ ہے کہ خریدار کو دونوں چیزوں کا اختیار ہو: نقد لے یا قسطوں پر - دوسری شرط یہ ہے کہ مدت ادائیگی میں طوالت سے رقم میں اضافہ نہ ہو (یہ سود ہو جائے گا) - ایک مزید نکتہ ' حال ہی میں اٹھایا گیا ہے کہ ملکیت ' فروخت کرتے وقت ہی منتقل ہو جانا چاہیے - اس کی تحقیق کی ضرورت ہے کہ آیا یہ ضروری ہے -

۲- جب تک سرمایہ کاری پر نفع ' مدت کے ساتھ وابستہ نہیں ' اور فی الواقع سرمایہ کاری کے نفع پر مشتمل ہے ' اس میں کوئی ہرج نہیں - این آئی ٹی بھی اسی قسم کی سرمایہ کاری ہے - مزید برآں یہ

بھی ضروری ہے کہ سرمایہ کاری ایسے کاروبار میں نہ ہو جو فی نفسہ حرام ہے - نہ ایسے طریقوں سے جو منع ہیں ' مثلاً سٹے بازی وغیرہ - اگر مخلوط ہو ' جیسا این آئی ٹی میں ہوتا ہے تو سرمایہ کاری کرنے والے کو ناجائز حصہ باہر کر دینا چاہیے ' یہی علما کا فتویٰ ہے - ایسا مخلوط کاروبار فی نفسہ کلیتاً حرام نہیں اور آج کل تو ہر کاروبار میں حرام کا شبہ ہے -

صاحب عزیمت آدمی کو شبہ سے بھی الگ رہنا چاہیے - لیکن کیونکہ فقر 'کفر کی طرف لے جاتا ہے اس لیے ہمارے علما عام لوگوں کو یہی فتویٰ دیتے ہیں کہ جب تک متبادل ذریعہ معاش نہ ہو ' ناجائز روزگار ترک نہ کیا جائے - فیصلہ اور جواب دہی بہرحال آپ ہی کے ذمہ ہے - (خ - م)


اللہ کے فضل و کرم سے
ثناءاللہ نے جو چیز بنائی بہترین بنائی
ثناءاللہ
پاکستان میں اُونی اور ایکریلک مصنوعات کا
معیار قائم کرنے والے
ثناءاللہ وولن ملز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
ABC
Cachmilla
BLANKETS
ABC
KNITTING
YARNS
Plush Mink
BED
COVERS
AND
BLANKETS
SANAULLA
CARPET
YARNS
SANAULLA
WEAVING
YARNS
16035 Fax 92-21
21600 SANA PK

adcom 89-92

کتاب نما

قرآن مجید کا عربی اردو لغت: ڈاکٹر محمد میاں صدیقی۔ ناشر: مقتدرہ قومی زبان، ۳۔ایچ، سلیمان پلازا، ستارہ مارکیٹ، جی سیون مرکز، اسلام آباد۔ صفحات: ۶۵۲۔ قیمت: ۱۹۰ روپے۔

اردو زبان میں قرآن مجید کی تسہیل و تفہیم کے لیے جو متنوع کوششیں کی گئی ہیں، ان میں تراجم و تفاسیر کے ساتھ ساتھ قرآنی الفاظ پر مبنی کتب لغت کی ترتیب وتدوین بھی شامل ہے۔ امام راغب اصفہانی (م ۵۰۲ ھ) کی "مفردات غرائب القرآن" اور علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ ھ) کی "الاتقان فی علوم القرآن" قرآنی کتب لغت میں کلاسیک کا درجہ رکھتی ہیں اور دونوں کے تراجم اردو میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا عبدالرشید نعمانی اور سید عبدالدائم جلالی کی چھ جلدوں پر محیط "لغات القرآن"، قاضی زین العابدین میرٹھی کی "قاموس القرآن"، جناب غلام احمد پرویز کی "لغات القرآن" اور مولانا محمد حنیف ندوی کی نامکمل "لسان القرآن" اہل علم وفضل کی ضرورتیں پوری کر رہی ہیں۔ یہ تمام کتب لغت، قرآنی الفاظ کے مادہ کو بنیاد بنا کر ترتیب دی گئی ہیں، مگر وہ قاری جو عربی زبان سے آگاہ نہیں، اس کے لیے بعض اوقات ان کتب لغت سے استفادہ آسان نہیں۔ اس لیے یہ ضرورت کافی عرصے سے محسوس کی جارہی تھی کہ کالجوں کے طلبہ و طالبات اور جدید پڑھے لکھے، مگر عربی زبان سے ناواقف، لوگوں کے لیے قرآن مجید کا ایک ایسا لغت مرتب کیا جائے جس میں قرآن کے تمام الفاظ اسی شکل میں شامل کیے جائیں، جس طرح وہ قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔

علوم قرآن پر وسیع نظر رکھنے والے عالم دین اور متعدد کتابوں کے مولف ڈاکٹر محمد میاں صدیقی ہمارے شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے زیرنظر لغت ترتیب دے کر یہ ضرورت پوری کی ہے۔ اس لغت میں متعدد خصائص پائے جاتے ہیں۔ ہر لفظ پر مکمل اعراب لگائے گئے ہیں اور اس سلسلے میں قرآن مجید کے متن سے مکمل مطابقت رکھی گئی ہے۔ اگر قرآن مجید میں کوئی اسم مجرور آیا ہے تو اسے یوں ہی نقل کیا گیا ہے۔ الفاظ کی صرفی و نحوی تشریح کی گئی ہے اور بنیادی مادے کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ واحد کی صورت میں جمع بتائی گئی ہے اور جمع کی صورت میں واحد لکھ دیا گیا ہے۔ ترجمے میں مستند

اور راسخ العقیدہ علما کی پیروی کی گئی ہے۔ اختلافی اور شاذ مفہوم دینے سے اجتناب برتا گیا ہے۔ قرآن مجید میں بعض الفاظ سیاق و سباق کے اعتبار سے مختلف مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں۔ ایسے الفاظ مکرر درج کیے گئے ہیں اور آیت کے حوالے کے ساتھ وہ معنی دیے گئے ہیں جو اس مقام پر مقصود ہیں۔ ہر لفظ کے ساتھ حوالہ دیا گیا ہے کہ یہ قرآن کی کس سورہ اور کس آیت میں یہ آیا ہے۔ بعض الفاظ قرآن مجید میں تکرار کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں' ان کے لیے صرف دو حوالے دینے پر اکتفا کیا گیا ہے' ورنہ ضخامت بہت زیادہ بڑھ جاتی۔

یہ لغت سفید کاغذ پر مناسب کتابت کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ مضبوط اور خوب صورت جلد سے مزین ہے۔ کتابت کی صحت کا اہتمام کیا گیا ہے' تاہم اکادکا اغلاط رہ گئی ہیں۔ (اختر راہی)

اقبال اور ظفر علی خاں' جعفر بلوچ۔ ناشر: اقبال اکادمی پاکستان' شارع ایوان اقبال' لاہور۔ صفحات: ۲۸۶۔ قیمت: ۱۳۰ روپے۔

برعظیم ہند و پاکستان کی سیاسی اور شعری و ادبی تاریخ میں علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خاں کا شمار نمایاں اکابر میں ہوتا ہے۔ پروفیسر جعفر بلوچ کی زیر نظر تصنیف کا بنیادی محرک ان کا یہ احساس ہوا کہ: "ان محسنین ملت کی تابندہ حیات و فتوحات اور ان کے درخشندہ احوال و آثار کے مسلسل و مکرر مطالعے سے ہم اپنی قومی زبان کو از سرنو مضبوط و محکم بنا سکتے ہیں"۔ (دیباچہ)۔

ابواب کے عنوانات: (علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خاں: اشتراک فکر و عمل کے چند پہلو۔ تحریک آزادی اور اقبال و ظفر' ۱۹۳۷ تک۔ اقبال و ظفر اور قیام پاکستان۔ اقبال و ظفر: معاملات من و تو) سے کسی حد تک اس کتاب کی نوعیت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مصنف نے طرابلس و بلقان کی جنگوں' علم الدین شہید' کشمیر' فلسطین اور قادیانیت اور بیسیوں دوسرے امور و مسائل پر اقبال و ظفر کے ہاں اشتراک فکر و عمل کی تفصیل کے ساتھ طریق انتخاب' سائمن کمیشن اور نہرو رپورٹ پر اختلافات کا ذکر بھی نہایت وضاحت سے کیا ہے۔ علامہ اقبال کی دانست میں سائمن کمیشن سے مقاطعہ مسلمانوں کے لیے مفید نہ تھا' مگر ظفر علی خاں کا نقطہ نظر' علامہ سے مختلف تھا۔ چنانچہ انھوں نے "زمیندار" میں اقبال کے خلاف ایک نظم لکھ ماری:

کاٹ لی پنجاب کی ناک آپ اپنے ہاتھ سے
آبروئے ملت کی کھو دی کس نے؟ سر اقبال نے

اور:

ع: قوم کی نیا ڈبو دی کس نے؟ سر اقبال نے

بعد ازاں طبیعت کا جوش ٹھنڈا ہوا تو ظفر علی خاں اس نظم کو "بہارستان" میں شامل کرتے وقت اس کی ردیف بدل کر "لیڈران قوم" کر دی۔ (ص ۱۱۲)۔ اقبال اور ظفر علی خاں میں باہم بے تکلفی تھی۔ ۱۹۱۱ میں "زمیندار" میں کسی صاحب کی معمولی درجے کی اور کمزور منظومات چھپ رہی تھیں۔ اقبال کہنے لگے: "ظفر علی خاں' آپ کے اخبار میں کان پور کے فلاں صاحب کی جو لمبی لمبی نظمیں چھپتی ہیں' بعض اوقات خیال آتا ہے کہ تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لوں اور کان پور پہنچ کر ان کے پیٹ میں چھرا گھونپ دوں۔ پھر سوچتا ہوں کہ اس شخص کو ختم کرنے کے لیے کان پور تک تھرڈ کلاس کا کرایہ خرچ کرنا بھی روپے کا ضیاع ہو گا" (ص ۸)۔ اس طرح کی ہلکی پھلکی شگفتہ باتوں کے ساتھ' زیر نظر کتاب میں سیاسی' دینی اور ملی اہمیت کے مسائل پر سنجیدہ بحثیں بھی ملتی ہیں' مباحث و محتویات کے تنوع نے کتاب کو دلچسپ بنا دیا ہے۔

پروفیسر بلوچ نے زیر تحقیق موضوع پر قدیم رسائل و جرائد اور کتابوں کا ایک وسیع سلسلہ ماخذ کھنگال کر لوازمہ فراہم کیا ہے۔ ان کی محنت و عرق ریزی کی داد نہ دینا بے انصافی ہو گی۔ اقبال و ظفر کے موضوع پر اب شاید ہی کوئی نکتہ اوجھل رہ گیا ہو ــــ اندازہ ہوتا ہے کہ جناب مصنف' اقبال و ظفر کی فکری راستی اور دینی بصیرت و حمیت سے بھی فیض یاب ہوئے ہیں۔ ایک جگہ انھوں نے پتے کی بات کہی ہے کہ قادیانیت یا مرزائیت کے لیے (بہ شمول اقبال) بعض مسلم اکابر نے جو "احمدیت" کی اصطلاح استعمال کی ہے وہ بالکل غلط اور ایک طرح کا سہو ہے۔ "احمدی" کا اطلاق رسول ہاشمیؐ پر ایمان رکھنے والوں کے لیے ہو گا۔ کوئی ایسا شخص "احمدی" کہلانے کا مستحق نہیں جو لانبی بعدی پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ متنبی قادیان مرزا غلام احمد کی امت و ذریت نے کمال عیاری اور غداری سے' خود کو "احمدی" کہلانا شروع کر دیا۔ غلام احمد کے پیرو کاروں کو "مرزائی"' "غلام احمدی" یا "قادیانی" کہنا چاہیے' نہ کہ "احمدی" ــــ (ص ۵۹)۔ تبصرہ نگار کی رائے میں مصنف کی یہ بات بہت اہم اور توجہ طلب ہے۔

دیباچے میں "تقابلی مطالعے کے زریں سلسلے" کے ضمن میں بلوچ صاحب نے' رومی' حافظ' محمد علی جوہر' سلیمان ندوی' اور صوفی تبسم کا ذکر کیا ہے۔ یہاں "اقبال اور مودودی" کا ذکر رہ گیا۔ حالانکہ اس موضوع پر تقابلی مطالعے دیگر اکابر کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہوئے ہیں' مثلاً: "اقبال اور مودودی" (ابو راشد فاروقی۔ لاہور ۱۹۷۷)۔ "اقبال اور مودودی کا تقابلی مطالعہ" (عمر حیات غوری۔ دہلی' ۱۹۸۱۔ لاہور ۱۹۸۲)۔ "نوائے مشرق" (سعید احمد۔ دہلی' ۱۹۸۱۔ کراچی ۱۹۸۶)۔ "علامہ اقبال اور سید مودودی: افکار و نظریات کا تقابلی مطالعہ" (وسیم احمد فاروقی۔ لاہور ۱۹۸۸)۔ بلاشبہ جعفر بلوچ کی یہ کتاب اقبالیات میں ایک اہم اور وقیع اضافہ ہے۔ اقبال اکادمی نے ایک

دلچسپ موضوع پر ایک اچھی علمی تحقیقی کتاب کو قابل اطمینان معیار پر شائع کیا ہے۔ ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ پروف خوانی بہت توجہ سے کی گئی ہے مگر اشاریے کی عدم موجودگی 'کتاب کا ایسا علمی و اشاعتی عیب ہے 'جس کی کوئی توجیہ نہیں کی جا سکتی' بس افسوس ہو سکتا ہے--- سرکاری اداروں کی مطبوعات' تجارتی ناشرین کے مقابلے میں کم قیمت ہوں 'تو انھیں قارئین کا نسبتاً وسیع تر حلقہ میسر آ سکتا ہے۔ (رفیع الدین ہاشمی)۔

نوادر اقبال یورپ میں : ڈاکٹر سعید اختر درانی۔ ناشر: اقبال اکادمی پاکستان' شارع ایوان اقبال' لاہور۔ صفحات: ۲۱۰۔ قیمت: ۱۲۰ روپے۔

ڈاکٹر سعید اختر درانی برمنگھم یونی ورسٹی کے شعبہ طبیعیات سے وابستہ ہیں۔ اس کے ساتھ وہ شعر و ادب خصوصاً اقبالیات کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں اور شہابی اور قمری پتھروں پر سائنسی تحقیق کے ساتھ ساتھ' علامہ اقبال پر ان کی ادبی تحقیق بھی جاری ہے۔ اس سلسلے میں ان کی پہلی کتاب ''اقبال یورپ میں'' ۱۹۸۵ میں چھپی تھی' اب ''نوادر اقبال' یورپ میں'' شائع ہوئی ہے۔

اس کتاب میں ایک طرف ٹرنٹی کالج کیمبرج میں محفوظ 'اقبال فائل' کے وہ مندرجات ہیں جو ان کے بی' اے کی ڈگری کے حصول کے مراحل پر روشنی ڈالتے ہیں تو دوسری طرف اس کتاب میں میونخ یونی ورسٹی کے کلیہ فلسفہ میں محفوظ 'اقبال فائل' کے ان قیمتی اندراجات کی تفصیل فراہم کی گئی ہے جو ان کی پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول سے متعلق ہیں۔

اقبال کے سوانحی لوازمے میں یہ ایک قیمتی اور نادر اضافہ ہے جس سے ان کے تعلیمی مراحل کی بعض جہتوں کا پتا چلتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کتاب میں ٹامس آرنلڈ کے نام اقبال کے دو خط بھی پہلی بار منظرعام پر لائے گئے ہیں۔ یہ ایسا نادر لوازمہ ہے جس کو ڈھونڈ نکالنے پر درانی صاحب بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔

اس کتاب میں درانی صاحب نے کیمبرج یونی ورسٹی لائبریری میں موجود دو ایسی اہم دستاویزات کا بھی ذکر کیا ہے جو انھوں نے جولائی ۱۹۸۶ میں وہاں سے دریافت کیں۔ ان میں سے ایک تو ''اسرار خودی'' کے شائع شدہ انگریزی ترجمے کا وہ نسخہ ہے جس پر اقبال نے اپنے ہاتھ سے متعدد تصحیحات کر کے اسے مترجم ''اسرار خودی'' پروفیسر نکلسن کو فراہم کیا تھا' دوسرا پروفیسر آربری کا ''گلشن راز جدید'' کا غیر مطبوعہ انگریزی ترجمہ۔ نکلسن کے ''اسرار خودی'' کے انگریزی ترجمے پر اقبال کی تصحیحات' آربری نے ایڈٹ کر کے ۱۹۵۲ میں لاہور سے شائع کرا دی تھی۔ اس کتاب کا نام "Notes on Iqbal's Asrar-e-Khudi" تھا۔ یہ کتاب اس کے بعد لاہور ہی سے مزید دو

مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ کوئی اقبال شناس نکلسن کے انگریزی ترجمے اور اقبال کی تصحیحات کا تقابل کرے۔ یوں ایک عمدہ اور چشم کشا تقابلی مطالعہ وجود میں آ سکتا ہے جس سے اس بات کا بھی بخوبی اندازہ ہو سکے گا کہ بڑے بڑے نامور مستشرقین سے بھی مشرقی ادب خصوصاً شاعری کی تفہیم میں کیسی کیسی فاش اور مضحکہ خیز غلطیاں سرزد ہو سکتی ہیں۔ درانی صاحب اگر اقبال کی ان تصحیحات کے شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو اقبال کی اپنی دست نوشت کے عکس بھی اس کے ہمراہ شائع کریں۔

درانی صاحب کی یہ کتاب اقبالیاتی ادب میں بڑا عمدہ اضافہ ہے جس سے اقبال کے سوانح کے باب میں پھیلی ہوئی کئی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوتا ہے اور بہت سے نئے حقائق پہلی بار سامنے آتے ہیں۔ یہ وہ کام ہے جسے انگریزی میں labour of love کہا جاتا ہے۔ مصنف لائق مبارک باد ہیں کہ جو کام معروف و ممتاز اقبال شناسوں کے ہاتھوں انجام نہ پا سکا، وہ ایک ایسے شخص نے کر دکھایا جس کا بنیادی شعبہ، ادب نہیں، طبیعیات ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اعلیٰ سطح پر پہنچ کر ادب، سائنس اور تمام دیگر علوم کی حدبندیاں یوں بھی تحلیل ہو جاتی ہیں۔ اقبال پر درانی صاحب کے اس تحقیقی کارنامے کو دیکھ کر اس حقیقت کی تصدیق ہوتی ہے کہ: ؎

راہ مضمون تازہ بند نہیں تاقیامت کھلا ہے باب سخن!

کتاب میں موضوع سے متعلق بہت سی دستاویزات اور تصاویر بھی شامل ہیں۔ اقبال اکادمی نے کتاب اچھے معیار پر شائع کی ہے، مگر اس نوع کی کتاب میں اشاریہ شامل کرنا ضروری تھا (ڈاکٹر تحسین فراقی)۔

Pakistan Political Perspective، مدیر: ایس اے سعود۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، نصر چیمبرز، بلاک ۱۹، مرکز ایف سیون، اسلام آباد۔ صفحات: ۷۰ پیام و بیش۔ قیمت: پاکستان میں فی شمارہ ۴۰ روپے۔ سالانہ: ۴۰۰ روپے۔ بیرون ملک: ۴۰۰ ڈالر۔

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد، قومی و ملی زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق (کتابوں اور رسالوں کی صورت میں) معلوماتی، تجزیاتی اور تحقیقی رپورٹیں تیار کر کے ان کی اشاعت کا اہتمام کرتا ہے۔ انسٹی ٹیوٹ کے تحت اشاعت پذیر ہونے والے رسائل میں ماہ نامہ "دینی صحافت"، ماہ نامہ "عالم اسلام اور عیسائیت"، دوماہی "وسطی ایشیا کے مسلمان" کے علاوہ زیر نظر انگریزی ماہ نامہ بھی شامل ہے جو جنوری ۹۴ سے پابندی سے شائع ہو رہا ہے۔

یہ مجلہ، ہر ماہ اپنے قارئین کے سامنے مختلف عنوانات کے تحت (ماہ گذشتہ کا) ہمہ جہتی قومی منظر نامہ پیش کرتا ہے۔ صدر پاکستان کی مصروفیات، خطابات، عدلیہ کی صورت حال، وزیراعظم کے

دورے ' کابینہ کے فیصلے ' قومی اسمبلی اور سینٹ کی کارروائیاں ' ملک کی بڑی سیاسی پارٹیوں (پیپلز پارٹی ' مسلم لیگ ن ' جماعت اسلامی اور مہاجر قومی موومنٹ) کی پالیسیاں ' پروگرام اور ان کے نمایاں رہنماؤں کے بیانات ' اس کے علاوہ بعض اہم وقوعات (جیسے وزیراعظم کے بہت سے دوسرے عجیب و غریب فیصلوں کی طرح ایک ریٹائرڈ ڈی ایس پی ' ایس کے محمود کا بطور آڈیٹر جنرل تقرر --- پاک بھارت تجارت --- سندھ کی ایک پرائیویٹ جیل سے قیدیوں کی برآمدگی - ورلڈ بنک اور ہماری معیشت --- ملک کی تشویش ناک صورت حال پر دو سابق وزرائے خارجہ آغا شاہی اور عبدالستار ' دو سابق سربراہان فضائیہ ذوالفقار علی خان اور جمال اے خان اور ایک سابق سفیر ڈاکٹر ایم اے بھٹی کا مکتوب مفتوح بنام وزیراعظم وغیرہ) - مجلے کی بعض رپورٹیں ایسے امور و مسائل سے متعلق ہوتی ہیں ' جو اخبارات میں واضح اور نمایاں ہوکر سامنے نہیں آتے اور یہ رپورٹیں محض صورت حال کی خبر دینے تک محدود نہیں ' ان کا انداز بیان معلوماتی ہونے کے ساتھ ساتھ تجزیاتی ہے - اس سے مختلف پارٹیوں اور گروہوں کے رویوں اور رجحانات اور وطن عزیز کی سیاسی ' معاشی اور امن و امان کی صورت حال کا اندازہ ہوتا ہے -

ہمارے ملک میں اس وقت اس نوع کا کوئی اور مجلہ موجود نہیں ' اس اعتبار سے یہ ' خصوصاً انگریزی خواں طبقے کے لیے نہایت مفید خدمت انجام دے رہا ہے - اساتذہ اور طلبہ ' مقابلے کے امتحانوں اور جامعات کے اعلیٰ تعلیمی درجوں کے امیدواروں اور ایسے قارئین کے لیے ' جو کسی وجہ سے اخبارات و رسائل کا وسیع مطالعہ نہیں کر سکتے ' نیز پاکستانیات سے دلچسپی رکھنے والے بیرون ملک مقیم اصحاب اور سفارت خانوں کے لیے زیر نظر مجلہ ایک بیش بہا دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے - یہ جن لوگوں کے لیے شائع کیا جاتا ہے ' وہ اسے ایک بار دیکھ اور پڑھ کر ' یقیناً اس کی افادیت کے قائل ہو جائیں گے - (ر - ۵) -

محمدؐ بحیثیت عسکری قائد ' از افضل الرحمٰن - مترجم: محمد ایوب منیر - ناشر: اسلامک پبلی کیشنز ' ۱۳- ای شاہ عالم مارکیٹ ' لاہور - صفحات: ۲۹۲ - قیمت: ۹۰ روپے -

جناب مصنف ' سیرت پاکؐ پر ۲۴ جلدوں میں ایک دائرہ معارف (encyclopaedia) مرتب کر رہے ہیں ' جس کی دس جلدیں تیار ہو چکی ہیں - زیر نظر کتاب اسی سلسلے کا ایک حصہ ہے ' جس میں آنحضورؐ کی ہمہ گیر اور جامع و ہمہ جہت شخصیت کے ایک پہلو --- میدان جہاد میں آپ کے حکیمانہ کارناموں ' بہ الفاظ دیگر آپؐ بطور عسکری قائد --- پر بحث کی گئی ہے -

زبان و بیان کے لحاظ سے ہی نہیں ' اپنے موضوعات ' لوازمے اور ترتیب ' ہر لحاظ سے یہ ایک عمدہ کتاب ہے جس کے لیے مصنف کی تعریف کی جانی چاہیے - انھوں نے غزوات کے احوال بیان

کرنے کے روایتی انداز سے ہٹ کر عسکری علم اور اصطلاحات کے حوالے سے قرآن پاک کی راہ نمائی میں سیرت پاکؐ کو بیان کیا ہے اور عسکری قائد کی حیثیت سے آپؐ کی تصویر پیش کی ہے۔

عنوان کتاب سے گمان گزرتا ہے کہ بدر واحد جیسے غزولت کا تفصیل سے بیان ہو گا۔ مگر نو ابواب کی اس کتاب میں صرف ایک باب (چہارم: ۴۳ صفحات) میں چھوٹے چھوٹے غزولت و سرایا کا ذکر ہے۔ دیگر ابواب میں جنگ کے بنیادی اصولوں، فوجی حکمت عملی، قیادت، یہودیوں کے بارے میں آپؐ کی پالیسی اور اسلام اور امن جیسے بنیادی اور اہم عنوانات پر سیرت اور قرآن کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ ان مباحث سے ہمارے محبوب عسکری قائد کی شخصیت ابھر کر سامنے آتی ہے، مصنف کے الفاظ میں:

"جب ہم آنحضرتؐ کی شخصیت کا موازنہ تاریخ کے دوسرے ممتاز عسکری قائدین سے کرتے ہیں تو ہم آنحضرتؐ کو ان میں سب سے بہتر اور برتر پاتے ہیں۔ چاہے مہم کی منصوبہ بندی ہو، فوجی حکمت عملی ہو یا حکمت عملی پر عمل کرنے کی بات ہو، آپؐ نے بے مثال مستعدی سے اور نہایت موثر انداز میں ان مہمات کو انجام دیا۔ اگر عظمت کا معیار جنگ میں فتوحات سے لگایا جائے تب بھی آنحضرتؐ نے جتنی جنگیں لڑیں، ان میں کوئی جنگ نہیں ہاری۔ آپؐ نے مجموعی طور پر ۲۸ چھوٹی اور بڑی جنگیں لڑیں اور ان سب میں کامیاب ہوئے۔ پچاس مہمات آپؐ کے صحابہ کی سرکردگی میں روانہ کی گئیں اور ان سب میں بھی کامیابی حاصل ہوئی" (ص ۲۹۱)۔

بلاشبہ تاریخ انسانیت، کوئی اور ایسا فوجی سالار پیش کرنے سے قاصر ہے جس نے اتنی مختصر مدت میں ایسی عظیم الشان فتوحات، (اتنے کم جانی ضیاع کے ساتھ) اور اتنی حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کی ہوں اور کامیابیاں بھی ایسی کہ انھوں نے تاریخ کا دھارا بدل کر رکھ دیا۔

آج کل کی جہادی فضا میں، نوجوانوں کے لیے یہ ایک لائق مطالعہ کتاب ہے۔ ہمارے تعلیمی اداروں میں اگر عسکری علوم کا کوئی مضمون شروع کیا جائے تو اس کے لیے یہ ایک مناسب درسی کتاب ہو گی۔ امید ہے اپنی نوعیت کی اس منفرد کتاب کو اہل علم و نظر میں خاطر خواہ قدر و منزلت اور پذیرائی حاصل ہو گی۔ کتاب اچھے معیار پر شائع کی گئی ہے (مسلم سجاد)۔

اسلام جدید دور میں، سلمان حسین خان، ناشر: اسلامک پبلی کیشنز، لاہور۔ صفحات: ۳۵۲۔ قیمت: ۹۶ روپے۔

یہ کتاب اسلامی جمعیت طلبہ کے سابق ناظم اعلیٰ جناب حسین خان کے فرزند سلمان حسین خان کے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے، جن میں سے کچھ اخبارات میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ نوجوان مصنف نے ایسے موضوعات پر قلم اٹھایا ہے جو، ہر دور کے انسان کی دلچسپی اور ضرورت کے ہیں۔ قرآن اور

اس کا مقصد، اسلام کی تعلیم اور اخلاقیات وغیرہ۔ دراصل مصنف نے جدید ذہن کے شبہات اور دور جدید میں سامنے آنے والے چیلنج کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے۔

ہمارے خیال میں آنے والے دور میں فکر اسلامی کے سامنے سب سے بڑا سوال "وحی، عقل اور تجربہ کے تعلق اور حدود کار" کے بارے میں ہو گا۔ اس حوالے سے اس کتاب میں خاصی قابل قدر کوشش نظر آتی ہے، مثلاً "مذہب خلاف عقل واقعہ نہیں، بلکہ بذات خود ایک مابعد الطبیعی حقیقت ہے جو تمام طبعی حقائق کی انتہائی معقول توجیہات پیش کرتی ہے" (ص ۱۸)۔ مذہب عقلیات کے مقام کو تسلیم کرتا ہے لیکن وہ ان کی اس حیثیت کو ماننے پر تیار نہیں کہ وہ وحی الٰہی کی قائم مقام بن جائیں"۔ (ص ۲۱)۔ خدا نے انبیا بھی پیدا کیے جو عقل انسانی کی سائنٹی فک ترقیوں کو صحیح رخ کی طرف موڑ دیں (ص ۲۸)۔ وحی کے تجرباتی اثرات کے بارے میں "وحی کے ذریعے حاصل ہونے والے علم کو دیکھ کر عقل شہادت دے رہی ہے کہ (اس طرح) قوم و نسل کی تفریق کو پاٹا جا سکتا ہے" (ص ۲۶)۔

جدید علوم کے بارے میں مصنف تسلیم کرتے ہیں کہ انھوں نے "آج کے انسانوں کو معاملات زندگی کے بارے میں سائنٹی فک انداز میں سوچنا سکھایا ہے" (ص ۳۳۷)۔ مگر "انسان آپ اپنا خدا بننے کے زعم باطل میں (بھی) مبتلا ہو گیا ہے (ص ۶۳)۔ مصنف نے تحریکوں کے فکری معیار کی کمی کے موضوع پر بھی مفید خیالات ظاہر کیے ہیں۔ مثلاً "یہ سمجھنا کہ اسلاف کی تحریروں نے اسلام کو فکری اور عقلی طور پر ثابت کر دیا ہے اور بس، ہماری خام خیالی ہے" (ص ۱۶۱)۔

باب سوم "علمائے دین اور دور جدید کا چیلنج" میں مصنف اس بات پر زور دیتے ہیں کہ "آج علمائے دین کو جدید سائنسی علوم پر گہری دسترس و مہارت حاصل کرنا ہوگی۔ پھر تنقیدی نگاہوں سے ان کا مطالعہ کر کے مفید اجزا ان میں سے چھانٹنا ہوں گے"۔ یہ بات اصولاً تو بہت صحیح اور ضروری ہے۔ مگر علما کے لیے اس پر عمل کرنا اس وجہ سے مشکل ہو گا کہ علمائے کرام خود یہ جدید تعلیم یافتہ علوم جدیدہ کی تحصیل، جدید (اسلام پسند) تعلیم یافتہ طبقے کی تحریروں سے کریں گے، مگر یہ طبقہ، الا ماشاء اللہ، جدید سائنسی و سماجی علوم پر اتنی دسترس نہیں رکھتا جو تنقیدی نگاہوں سے ان علوم کا جائزہ لینے کے لیے ضروری ہے۔

مصنف اکثر مضامین کا خاتمہ علامہ اقبال کے کسی نہ کسی شعر پر کرتے ہیں۔ بحیثیت مجموعی وہ قرآن و حدیث اور عصری اسلامی لٹریچر کا وسیع مطالعہ رکھتے ہیں۔ یہ متفرق مضامین کا مجموعہ ہے شاید اسی لیے اس میں منظم اور مربوط فکر کا فقدان محسوس ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ مناسب رموز و اوقاف (Punctuation) کی عدم موجودگی کے باعث قاری کو کچھ مشکل مقامات پر کتاب سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے (ڈاکٹر بلال مسعود)۔

مدیر کے نام

خلیل الرحمان 'لالہ موسیٰ

"اشارات" (مارچ ۹۶) پڑھے ۔ مغرب جس کا سرخیل امریکہ ہے آج تحریک اسلامی کا حریف اول ہے ۔ وہ تہذیبوں کے ٹکراؤ کا معرکہ ہماری سرزمین پر لڑنا چاہتا ہے ۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اپنے مسلمان بھائیوں کی ایسی فکری تربیت کرنا ہوگی کہ وہ یورپ اور امریکہ میں اپنے روزگار اور معاش کے ساتھ ساتھ اسلام کے داعی' محبت' خیرخواہی اور للہیت کے پیکر بن جائیں ۔ اب ہر کام متعین اہداف پر نظر رکھ کر کرنا ہو گا ۔ یورپ میں انسانیت زیادہ دکھی ہے ۔ اس کے زخموں پر ہمدردی کا مرہم رکھنے سے عوام الناس کے دل کے دروازے اسلام کے لیے کھلیں گے ۔

الشیخ راحت گل 'پشاور

۶۰ سال پہلے (فروری ۹۶) کی موجودہ پر آشوب فضا میں کوئی ضرورت نہ تھی ۔ اس سے فائدہ کچھ نہیں' نقصان ہونے کا اندیشہ ہے ۔ ترکی میں فری میسن کے رکن مصطفیٰ کمال کے انقلاب کے لیے دشمن یہودی جو فضا تیار کرنا چاہتا تھا اس کے لیے علما اور ترکی سلاطین کے خلاف اس قسم کے پروپیگنڈے کی اشد ضرورت تھی جو کامیاب رہی ۔ اس وقت پاکستان میں لادینی منافقین کے ذریعے یہودی جو سازشیں کر رہے ہیں اس کے لیے علما اسلام کے خلاف مختلف محاذوں پر بڑی تیزی سے کام شروع کیا گیا ہے ۔

لطافت الرحمن سعود آباد' ملیر' کراچی

ادب کے لیے کھڑے ہونا (فروری ۹۶) کے سلسلہ میں عرض ہے کہ احتراماً و محبتاً کھڑا ہونا مسنون مستحب اور موجب اجر و ثواب ہے اور خاص طور پر دینی' علمی طلبہ کا استاد کی آمد پر کھڑا ہونا تو اس عمل کا مرکزی کردار ہے ۔ امام محی الدین نووی شارح مسلم کا فیصلہ یا فتویٰ اس بارے میں بالکل واضح ہے جو مقلدین مذاہب اور اہل حدیث حضرات سب کے لیے قابل عمل اور آپ کی توجہ کا مستحق ہے' (جلد ثانی' ص ۹۵) ۔ اس جملہ سے کہ "امریکہ میں جہاں میں نے تعلیم حاصل کی ہے وہاں کوئی ایسی روایت نہ تھی' طلبہ بیٹھے رہتے ہیں" دکھ ہوا کیونکہ امریکہ کا نظام تعلیم تو ظاہر ہے کہ وہاں کے تمدن و تہذیب کا عکاس ہے ۔ اس حقیقت کے پیش نظر اسلامی و علمی طلبہ کی جماعتوں کی طرف سے اساتذہ کے ادب و احترام میں امریکی نظام تعلیم کا حوالہ دینا میرے ناقص خیال میں مناسب نہیں ہے ۔

سید محمد سلیم ' لاہور

تحریک اسلامی: آج کے قابل غور مسائل (فروری ۹۶) میں انداز بیان ادق ہے - داعیانہ اور عام فہم ہوتا تو عام کارکن کے اندر جذبہ عمل بیدار ہوتا۔

مشتاق الرحمان صدیقی ' لاہور

بیٹے کو نصیحت (فروری ۹۶) بہت ہی خوب چیز ہے - آج کے استاد اور شاگرد کے لیے اس میں بہت کچھ ہے - کیا ہی اچھا ہو کہ تعلیمی اداروں کے سربراہ اسے اپنے ہر طالب علم تک پہنچانا ضروری سمجھیں -

نصر اللہ ' کراچی

دعوت اور انسانی نفسیات (مارچ ۹۶) نہایت اہم موضوع پر ایک اچھا مطالعہ ہے - ملک کی جامعات میں اسلامیات اور نفسیات اور اسلامی تاریخ کے شعبوں کی کمی نہیں ہے - اس موضوع پر تو پی - ایچ - ڈی مقالے تیار ہوں اور جو اصول اخذ ہوں' ان سے شعبہ تدریس میں اور جدید ابلاغی ٹکنالوجی کے استعمال میں رہنمائی لی جائے -

عبد الرشید بھٹی ' کراچی

نومسلموں کے رویے (مارچ ۹۶) دلچسپ ہے - کیوں نہ اسلام کے ساتھ پیدائشی مسلمانوں کے رویوں کا بھی سائنٹی فک تحقیقی تجزیاتی اعداد و شمار پر مبنی مطالعہ کیا جائے!

خالد محمود ' حکیم باد شاہ کرک

ترجمان عام آدمی کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے - اگر اشارات کے الفاظ سادہ ہوں تو عام آدمی آسانی سے سمجھ سکے گا - عام فہم ہو تو اشاعت میں بھی مزید اضافہ ہو گا -

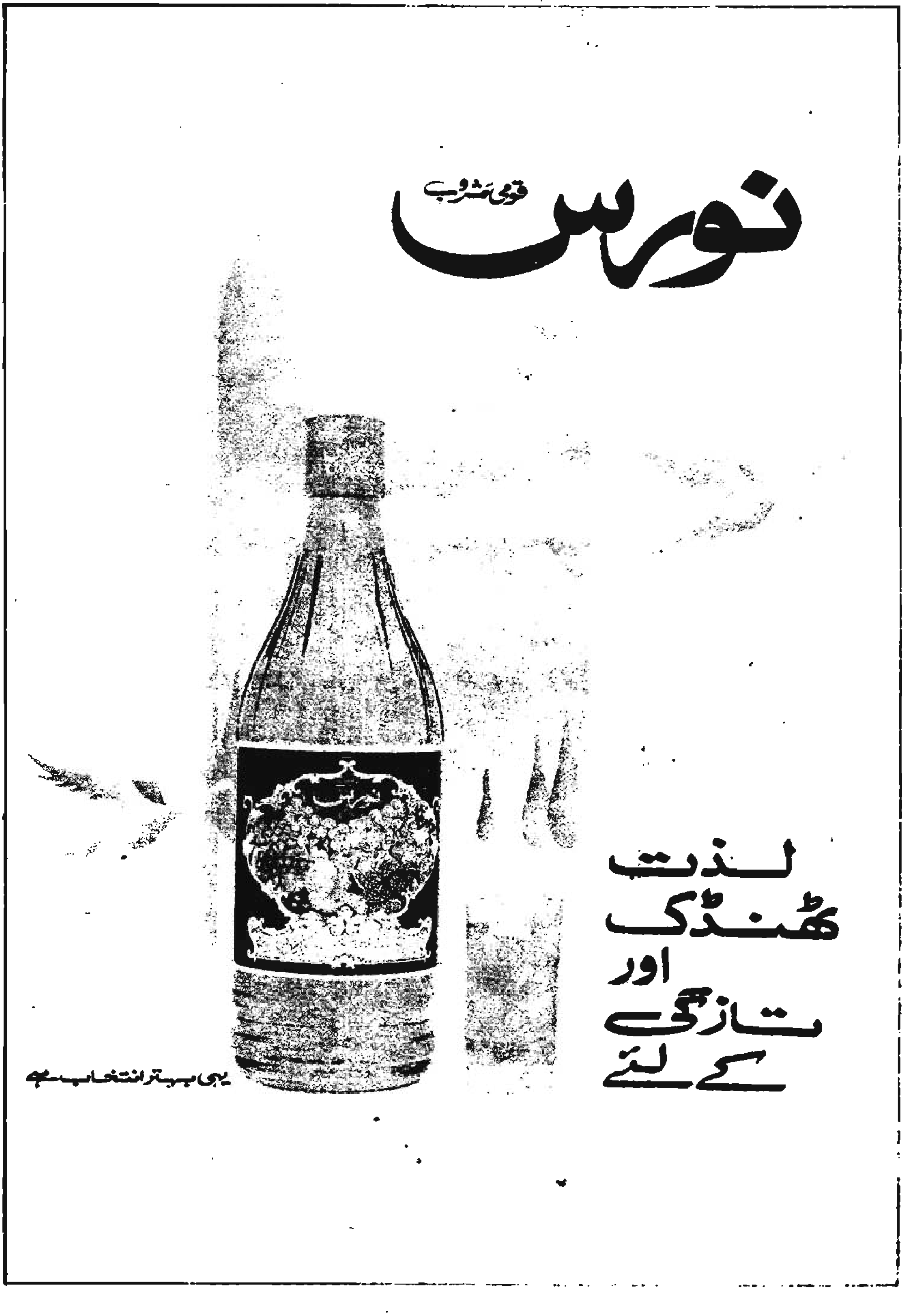
حافظ نذیر احمد ' قصور

بہترین اسلوب ' آسان فہم دلنشیں ' موجودہ بے خدا تہذیب کو صحیح رخ پر موڑنے کے لیے آپ کا مجلہ سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے - اشارات: آج کا چیلنج ' کل کے مسائل کا تو کیا کہنا ' دریا کو کوزے میں بند کیا ہوا ہے -

محمد حسین سومرو ' شکار پور

'بندہ خدا' کے اشتہارات مجھے بہت پسند آتے ہیں - زندگی کا بڑا روزہ (مارچ ۹۶) میں بڑی اہم حقیقت کی طرف نہایت موثر انداز سے توجہ دلائی گئی ہے -

---


قومی مشروب
نورس
لذت
ٹھنڈک
اور
تازگی
کے لئے
یہی بہتر انتخاب ہے

کیا آپ کے ہاں یہ رسالے آتے ہیں؟

ماہنامہ
ترجمان القرآن

سعودیہ -/550 روپے۔ پاکستان -/150 روپے، انتظامی امور: ۵-اے ذیلدار پارک اچھرہ۔ لاہور فون: 7585590,7585916 اداراتی امور: منصورہ، ملتان روڈ، لاہور 54570 فیکس: 7832194

ماہنامہ
آئین

سعودیہ -/550 روپے۔ پاکستان -/150 روپے، نسیم مارکیٹ ۱ ۲ ریلوے روڈ لاہور فون: 7221655

ہفت روزہ
ایشیا

سعودیہ -/1700 روپے۔ پاکستان -/480 روپے، کیمرہ مارکیٹ، ۴۲ چیمبرلین روڈ، لاہور 54000 فون: 7231536 فیکس: 042-7832194

ہفت روزہ
فرائیڈے اسپیشل

سعودیہ -/1900 روپے (شش ماہی -/1000 روپے) پاکستان -/500 روپے، ایورریڈی چیمبرز محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی 74200 فون: 5-2630391 فیکس: 021-2630396

Monthly impact. International

پاکستان -/600 روپے، بک پروموٹرز۔ مرکز F-7 اسلام آباد

انفرادی ۲۸ پونڈ، تنظیموں کے لیے ۴۲ پونڈ۔

P.O.Box-2493, Suite B,233 Seven Sisters Road, London N42BL, UK. Tel+44(0)171-2631417, Fax+44(0)171-2728934

پندرہ روزہ
جہاد کشمیر

سعودیہ 130 ریال۔ پاکستان -/250 روپے، الاکرام بلڈنگ، مریڑ چوک مری روڈ راولپنڈی فون: 504863

بیرونِ ممالک ترجمان القرآن حاصل کرنے کے لیے رابطہ پتے:

MAKTABA KULLIAH ALHINSAH
JAMIATUL MALAE ABDUL AZIZ
P.O.BOX 9027 JIDDAH
SAUDI ARABIA

SAIFULLAH SANAI
P.O.BOX 9178
DAMMAM 31413
SAUDI ARABIA

ADAAB BOOK SHOP
P.O.BOX 287
MANAMA
BAHRAIN

ANAYAT HUSSAIN GHAURI
P.O.BOX 382
ABU DHABI
UAE

MANZOOR ILAHI
P.O,BOX 621
DUBAI
UAE.

MR.MUHAMMAD SALAHUDDIN
DARUL SAUDIA JAUHARIA
AL BAGHDADIA BUILDING
P.O.BOX 2043
JEDDAH-21451

UMER ABDUL AZIZ
755-EAST 9 STREET#.B.6.
BROOKLYN
NEW YORK-11230(U.S.A)
✆ (781)421-5428

ISLAMIC BOOK CENTER
120,DRUMMOND ST.
LONDON N.W.I 2HL
UK.

UK ISLAMIC MISSION
121,OAKLAND ROAD HANWELL
LONDON W7 2DT
UK.

UK ISLAMIC MISSION
401-403,ALUM ROCK ROAD
BIRMINGHAM B-8 3DT
UK.

UK ISLAMIC MISSION
19- CARRINGTON STREET
GLASGOW G4 9AJ
UK.

UK ISLAMIC MISSION
1 TYDFIL PALACE
ROTH PARK CARDIFF
SOUTH WALES UK.

SYED SHAUKAT ALI
DEPT. OF COMMUNICATIONS
INTL.ISL.UNI. P.O.BOX 70
JALANJAN 46700-PJ SELANGER
MALAYSIA

RAFAY SAMAN
423,BARA MUGH BAZAR
ELEPHANT ROAD DHAKA
BANGLA DESH

دیگر ملکوں میں بھی خواہشمند رابطہ کریں:

مینیجر ترجمان القرآن، ۵-اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور 54600 فون 042-7587916

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵-اے ذیلدار پارک ' اچھرہ ' لاہور سے شائع کیا

REGD. NO. L 5340

PHONES : 7587916
7585590

MONTHLY **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE